ریاض الاخلاق

یعنی

مولوی مرزا سلطان احمد خان صاحب تحصیلدار شجاع آباد کے

متفرق مضامین کا مجموعہ

جس کو

مولوی سیّد ممتاز علی صاحب نے مرتّب کر کے

سنہ ۱۹۰۰ع

رفاہ عام سٹیم پریس لاہور میں چھپایا

قیمت فی جلد . . . . ([illegible])

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مضغ الکلام

جو چیزیں کھانے پینے میں آتی ہیں اُن کا ذائقہ انسان کو اُس وقت تک محسوس یا معلوم نہیں ہو سکتا جب تک انسان اُن کو اپنے مُنہ میں مضغ نہ کرے یعنی انسان اپنی ماکولات ومشروبات کی بابت اُس وقت تک کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا جب تک اُن کو مُنہ میں ڈال کر قوت ذائقہ سے کام نہ لے۔ تمام کھانوں یا مشروبات کی قیمت اور کم قیمتی یا عُمدگی اور غیر عمدگی انسان اُسی حالت میں محسوس یا معلوم کر سکتا ہے جب اُس کو کھائے یا پیئے۔ اگرچہ کیسا ہی عُمدہ یا بُرا کھانا پکایا گیا ہو مگر جب تک قوت ذائقہ کو اُس کی بابت ایک منصف جج نہ قرار دیا جائیگا تب تک کوئی شخص بھی یہ رائے نہیں دے سکتا کہ اُس کا طعم یہ حیثیت اور یہ حالت رکھتا ہے بعض کھانوں اور مشروبات کو جو مزوں اور عمدگیوں کے اعتبار سے ممتاز اور اشرف قرار دیا گیا ہے وہ قوت ذائقہ کے احساس کی وجہ سے ہے اگر اُن کو مُنہ میں ڈال کر فیصلہ نہ کیا جاتا تو شاید ہم کسی کھانے یا شربت کی نسبت بھی امتیاز کا لفظ اطلاق نہ کر سکتے۔ انسان جب بولتا ہے تو قبل از اظہار کلام یا تکلم کے وہ کلام یا الفاظ بھی دل کی دیگ میں پُختہ ہوتے اور جوش مارتے ہیں۔ ارادہ اور خیال کی آگ اُن کو پکاتی اور دم دیتی ہے۔ اور زبان کا چمچہ اُن کو دل کی دیگ سے نکال کر باہر تقسیم کرتا ہے۔ کیا تقسیم کرنے والے

پر یہ لازم اور ضروری نہیں کہ قبل از تقسیم کرنے کے اُن الفاظ اور جمل کو اپنے منہ میں مضغ کرے اور دیکھے کہ آیا اُن کا ذائقہ بھی درست اور بالطف ہے یا نہیں اور اُن کی حالت طعم کے لحاظ سے کیسی ہے۔ کیا اُن کو ایسی حیثیت یا حالت حاصل ہو گئی ہے کہ عام طور پر ہر کہ و مہ کو تقسیم کئے جائیں یا ابھی اُن میں کسی قدر سرگرمی اور جوش اور پختگی کی ضرورت ہے جیسے کھانے کے منہ میں ڈالنے سے انسان کو اُس کی عمدگی اور غیر عمدگی کی بابت تمیز ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ایک بات یا ایک کلام کے مضغ کرنے اور سوچنے سے پتہ لگ جاتا ہے کہ اُس کی تاثیر پس اظہار عام کے بعد کیا ہوگی اور دوسرے لوگ کیا خیال کرینگے۔ یہ ممکن ہے کہ جو کلام ہم کو ناپسند ہو شاید اوروں کو پسند اور مطبوع ہو مگر جب ہم اظہار سے اوّل ایک کلام کو وزن اور مضغ کرتے ہیں تو ثابت ہو سکتا ہے کہ اُس کی تاثیر کیا ہوگی کیونکہ دراصل عمدگی کی بابت عام رائے بھی قریب قریب واقع ہوتی ہے۔ اگر ایک کلام واقعی ایک کھانے کی طرح مزیدار اور لطیف نہیں ہے تو اُس کو کوئی بھی مزیدار اور عمدہ نہیں کہہ سکتا عام مذاق بھی وہی ہے کہ جو لطافت اور نفاست میں ایک خاص طبیعت کا ہے۔ بہت سی باتیں اور الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں ہم خود تو مکروہ خیال کرتے ہیں مگر جب دوسروں پر اُن کا اطلاق کرنے لگتے ہیں تو کوئی نشیب و فراز نہیں دیکھتے۔ اگر اُس حالت میں اظہار یا اطلاق سے پہلے اُس کلام یا بات کو سوچیں یا مضغ کریں تو ہمیں ثابت اور معلوم ہو جائیگا کہ درحقیقت اُن کا اظہار یا اطلاق موزوں اور مناسب نہیں ہے اس کلام کو وزن اور مضغ کرنا ایک حفظ ماتقدم ہے۔ حفظ ماتقدم کا ملحوظ رکھنا ہر ایک انسان پر لازم اور فرض ہے۔ جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ ہمیشہ ایک مذبذب حالت میں رہتا ہے اور اکثر اوقات دھوکا کھاتا ہے۔ ایک حکیم روشن خیال کا قول ہے کہ وہ انسان بڑا ہی ناعاقبت اندیش ہے جو ایک لقمہ کو تو کھانے سے پہلے چبا چبا کر دیکھ لیتا ہے کہ اُس کا ذائقہ اور طعم کیسا ہے حالانکہ اُس کو اپنے معدے میں جانا ہے لیکن ایک کلام کو بے چبائے ہی ظاہر

کر دیتا ہے درحالیکہ وہ چاہتا ہے کہ اس کلام کو دوسروں کے معدے خوشی کے ساتھ قبول کریں۔ اور اس کو ایک موثر اور لطیف کلام سمجھیں۔ کیا ایسا عمل محفوظ عمل ہے؟ ہمیشہ اظہار کلام سے پہلے اُسے سوچو اور وزن کرو۔ سلامتی کا یہی طریقہ ہے +

عاقل اور جاہل کی زندگی

عرب میں یہ ایک کہاوت ہے کہ "حلاوۃ الدنیا للجہلاء ومرارتہا للعقلاء" یعنی اس دُنیا کے مزے جاہلوں کے واسطے ہیں اور تکلیفات داناؤں کے لئے۔ اگر اس کی حقیقت پر غور کیا جائے تو واقعی یہ بہت ہی سچ اور مطابق واقعات کے ہے۔ اِس دُنیا میں عاقل اور جاہل کی زندگی برابر اور یکساں نہیں ہے۔ ہم زندگی اور جسمانی ظاہری حالتوں سے بحث کرینگے نہ کہ روحانی حالات سے کیونکہ وہ سلسلہ الگ ہے۔ اگر ہم ایک عاقل اور جاہل کی زندگی کا آپس میں مقابلہ کریں تو ہمیں دلائل سے معلوم ہوجائیگا کہ اِس دُنیا میں جاہل ہمیشہ چین سے رہتا ہے اور عاقل غریب کی زندگی انواع واقسام کی تفکرات اور ترددات میں گذرتی ہے۔ اگرچہ یہ دونو وجود دُنیا کے ایک ہی میدان میں رہتے اور زندگی بسر کرتے ہیں مگر دانا کو عقل اور سمجھ خراب کرتی ہے اور جاہل کو جہالت ہمیشہ آزادی اور چین کے مزے میں رکھتی ہے عقل اور دوراندیشی سے انسان کی تفکرات بڑھتی ہیں اور ترددات میں ترقی روز افزوں ہوتی ہے۔ اور جہالت سے معاملہ وہیں کا وہیں رہ جاتا ہے۔ عاقل آدمی ایک معاملے کو دل میں جگہ دیتا ہے اور نادان اُسے ایک کان سے سُن کر دوسرے کان کی راہ سے نکال دیتا ہے۔ عاقل انجام کو دیکھتا ہے۔ اور جاہل انجام کی کوئی فکر نہیں کرتا۔ عاقل کے واسطے تھوڑی سی شکستگی وبال جان ہے لیکن جاہل اعلےٰ درجے کی شکست کو ایک جو کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔ عاقل سونے کے وقت بھی ہزاروں ترددات اور تفکرات بستر پر ساتھ لے کر سوتا ہے اور ساری رات اُن کی فکر میں رہتا ہے۔

کر دیتا ہے درحالیکہ وہ چاہتا ہے کہ اس کلام کو دوسروں کے معدے خوشی کے ساتھ قبول کریں۔ اور اس کو ایک شُستہ اور لطیف کلام سمجھیں۔ کیا ایسا عمل محفوظ عمل ہے؟ ہمیشہ اظہار کلام سے پہلے اُسے سوچو اور وزن کرو۔ سلامتی کا یہی طریقہ ہے +

عاقل اور جاہل کی زندگی

عرب میں یہ ایک کہاوت ہے کہ "حلاوۃ الدنیا للجہلاء و مرارتہا للعقلاء"۔ یعنی اس دُنیا کے مزے جاہلوں کے واسطے ہیں اور تکلیفات داناؤں کے لئے۔ اگر اس کی حقیقت پر غور کیا جائے تو واقعی یہ بہت ہی سچ اور مطابق واقعات کے ہے۔ اِس دُنیا میں عاقل اور جاہل کی زندگی برابر اور یکساں نہیں ہے ہم زندگی اور جسمانی ظاہری حالتوں سے بحث کرینگے نہ کہ روحانی حالات سے کیونکہ وہ سلسلہ الگ ہے۔ اگر ہم ایک عاقل اور جاہل کی زندگی کا آپس میں مقابلہ کریں تو ہمیں دلائل سے معلوم ہوجائیگا کہ اِس دُنیا میں جاہل ہمیشہ چین سے رہتا ہے اور عاقل غریب کی زندگی انواع و اقسام کی تفکرات اور ترددات میں گذرتی ہے۔ اگرچہ یہ دونو وجود دُنیا کے ایک ہی میدان میں رہتے اور زندگی بسر کرتے ہیں مگر دانا کو عقل اور سمجھ خراب کرتی ہے اور جاہل کو جہالت ہمیشہ آزادی اور چین کے مزے میں رکھتی ہے عقل اور دور اندیشی سے انسان کی تفکرات بڑھتی ہیں اور ترددات میں ترقی روز افزوں ہوتی ہے۔ اور جہالت سے معاملہ وہیں کا وہیں رہ جاتا ہے۔ عاقل آدمی ایک معاملے کو دل میں جگہ دیتا ہے اور نادان اُسے ایک کان سے سُن کر دوسرے کان کی راہ سے نکال دیتا ہے۔ عاقل انجام کو دیکھتا ہے۔ اور جاہل انجام کی کوئی فکر نہیں کرتا۔ عاقل کے واسطے تھوڑی سی سُبکی وبال جان ہے لیکن جاہل اعلےٰ درجے کی شکست کو ایک جَو کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔ عاقل سونے کے وقت بھی ہزاروں ترددات اور تفکرات بستر پر ساتھ لے کر سوتا ہے اور ساری رات اُن کی فکر میں رہتا ہے۔

پر یہ لازم اور ضروری نہیں کہ قبل از تقسیم کرنے کے اُن الفاظ اور جمل کو اپنے مُنہ میں مضغ کرے اور دیکھے کہ آیا اُن کا ذائقہ بھی دُرست اور بالطف ہے یا نہیں اور اُن کی حالت طعم کے لحاظ سے کیسی ہے۔ کیا اُن کو الیسی حیثیت یا حالت حاصل ہو گئی ہے کہ عام طور پر ہر کہ ومہ کو تقسیم کئے جائیں یا ابھی اُن میں کسی قدر سرگرمی اور جوش اور پُختگی کی ضرورت ہے جیسے کھانے کے مُنہ میں ڈالنے سے انسان کو اُس کی عُمدگی اور غیر عُمدگی کی بابت تمیز ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ایک بات یا ایک کلام کے مضغ کرنے اور سوچنے سے پتہ لگ جاتا ہے کہ اُس کی تاثیر بس اظہار عام کے بعد کیا ہوگی اور دوسرے لوگ کیا خیال کرینگے۔ یہ ممکن ہے کہ جو کلام ہم کو ناپسند ہو شاید اوروں کو پسند اور مطبوع ہو مگر جب ہم اظہار سے اوّل ایک کلام کو وزن اور مضغ کرتے ہیں تو ثابت ہو سکتا ہے کہ اُس کی تاثیر کیا ہو گی کیونکہ دراصل عمدگی کی بابت عام رائے بھی قریب قریب واقع ہوتی ہے۔ اگر ایک کلام واقعی ایک کھانے کی طرح مزیدار اور لطیف نہیں ہے تو اُس کو کوئی بھی مزیدار اور عمدہ نہیں کہ سکتا عام مذاق بھی وہی ہے کہ جو لطافت اور نفاست میں ایک خاص طبیعت کا ہے۔ بہت سی باتیں اور الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ جنہیں ہم خود تو مکروہ خیال کرتے ہیں مگر جب دوسروں پر اُن کا اطلاق کرنے لگتے ہیں تو کوئی نشیب و فراز نہیں دیکھتے اگر اُس حالت میں اظہار یا اطلاق سے پہلے اُس کلام یا بات کو سوچیں یا مضغ کریں تو ہمیں ثابت اور معلوم ہو جائیگا کہ درحقیقت اُن کا اظہار یا اطلاق موزوں اور مناسب نہیں ہے اس کلام کو وزن اور مضغ کرنا ایک حفظ ما تقدم ہے۔ حفظ ما تقدم کا ملحوظ رکھنا ہر ایک انسان پر لازم اور فرض ہے۔ جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ ہمیشہ ایک مذبذب حالت میں رہتا ہے اور اکثر اوقات دھوکا کھاتا ہے۔ ایک حکیم روشن خیال کا قول ہے کہ وہ انسان بڑا ہی نا عاقبت اندیش ہے جو ایک لقمہ کو تو کھانے سے پہلے چبا چبا کر دیکھ لیتا ہے کہ اُس کا ذائقہ اور طعم کیسا ہے حالانکہ اُس کو اپنے معدے میں جانا ہے لیکن ایک کلام کو بے چبائے ہی ظاہر

ذاتیات

ہم اس سے انکار نہیں کرینگے کہ انسانوں میں باہم ذاتیات کے بھی تنازعات ہوتے ہیں۔ انسان ہی نہیں بلکہ دیگر حیوانات بھی اس سے خالی اور پاک صاف نہیں۔ ایک حیوان دوسرے حیوان کے ساتھ ایک ذاتی رنجش اور خلاف پر جھگڑتا اور بحث کرتا ہے۔ ہمیں اعتراض اس پر ہے کہ عام اور پبلک خیالات اور بحث مباحثہ سے درگذر کر کے ذاتیات کو چھیڑا جاتا ہے اور دور تک نوبتیں جا پہنچتی ہیں بحث اور احقاق حق و ابطال باطل سے کوئی نہیں روک سکتا کیونکہ دنیا میں ایسے امور ہمیشہ سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ مگر جب نوبت گتھم گتا فضیحتی تک آ رہتی ہے اُس وقت ایک ایسی بے لطفی ہوتی ہے کہ نہ تو پبلک کا خیال رہتا ہے اور نہ ایمان اور دھرم کا۔ ہر ایک کے ذاتیات اور اندرونی عیب و ثواب پر بحث کی جاتی ہے اور اُن باتوں کو کُرید کُرید کر نکالا جاتا ہے جس سے دوسرے فریق کی ہتک اور بے وقری ہو معاملہ کہاں سے شروع ہوا تھا اور پہنچا کہاں۔ اس صورت اور اس طرز تحقیق میں سوائے نقصان کے اور کیا ملتا ہے۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ ہر ایک شخص دوسرے شخص کی رائے کو اپنی رائے یا خیال کا تابع جانتا ہے گویا اُس کی رائے دوسروں کی رایوں اور خیالات پر حکومت کرتی ہے اس کے خلاف کرنا یا کچھ کہنا خدائی حکم کے خلاف کرنا ہے۔ یہ راہ بہت خوفناک ہے اس میں صداقت اور حقیقت نہیں کھلتی۔ ہر ایک شخص کی رائے بجائے خود ایک علیحدہ رائے ہے وہ دوسروں کے خیالات پر کسی طور سے حکومت نہیں کر سکتا +

ہاں ہمارا فرض ہے کہ ہم دوسروں کو اپنی رائے سے آگاہ کریں لیکن یہ درست نہیں کہ اوروں کی رایوں پر حکومت کریں۔ اگر کوئی ہماری رائے یا خیال سے اتفاق نہیں کرتا خواہ اُس کا سبب کچھ ہی ہو تو ہمیں یہ حق نہیں کہ اُس کی ذاتیات اور اندرونی معاملوں پر

لیکن جاہل جب بستر پر جاتا ہے تو سب فکروں اور تردداتِ کو ایک گڑھے میں پھینک آتا ہے اور دُنیا کے نشیب و فراز کی کچھ پروا نہیں کرتا وہ رات کو آرام کا گھر کہتا ہے۔ اُس کی رائے میں رات کو نہ سونا خدا کی نعمت کو رد کرنا ہے۔ وہ عاقل کی طرح زیادہ دور اندیشی کو جہالت اور نادانی سمجھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس دنیا میں جس طرح گذر سکے گذارنا چاہیئے۔ وہ اُس حالت کو آرام وہ جانتا ہے جو اُس کو اب حاصل ہے۔ اس کو کل کی فکر نہیں ہوتی وہ کل کی فکر کو حرام سمجھتا ہے۔ یہی باتیں ہیں جو ایک جاہل کو بہ نسبت ایک عاقل کے زیادہ تر خوشی سے اس دُنیا میں رکھتی ہیں۔ ایک حکیم نے ایک جاہل سے پوچھا تھا کہ تو میری نسبت کیا رائے رکھتا ہے اُس نے جواب میں کہا کہ "میں تیرے سر کو کوھلو کا اندھا بیل سمجھتا ہوں جو ہمیشہ چلتا رہتا ہے۔ اور تیرے دل کو ایک بے صبر مزدور جو کبھی مزدوری سے خالی نہیں رہتا اور تیری زندگی کو بیگاری" حکیم اس کو سُن کر بہت ہنسا اور جواب میں اُس جاہل کو کہا کہ واقعی تو سچ کہتا ہے +

ایک زندہ دل حکیم کہتا ہے کہ جب قیامت کے دن مجھ سے حساب کتاب اعمال کا لیا جائیگا تو میں آزادی سے بارگاہ ربّی میں عرض کرونگا کہ مجھ سے نصف عمر کا حساب لیا جاوے اور ایک جاہل کی عمر میں میرا دوسرا نصف حصہ ملا دیا جاے کیونکہ اُس کی عمر اور زندگی دُنیا میں جس کا میں حساب دیتا ہوں میری نسبت چین و آرام سے گذرتی ہے واقعی یہ قول راست ہے۔ عاقلوں اور جاہلوں کی زندگی میں نصف سے بھی زیادہ کا تفاوت ہے۔ ایک جاہل دُنیا کے میدان میں کھیل کود سے گذارتا ہے۔ لیکن ایک عاقل خلاف اس کے قید اور پابندی سے بسر کرتا ہے۔ جاہل کی جہالت اُسے آزاد اور خوش رکھتی ہے اور عاقل کی عقل اور دانائی اُسے تفکرات کا ایندھن بناتی ہے۔ عقل اور دانائی کو جانے دو اگر زندگی کا کچھ لطف اور مزہ ہے تو انہیں جاہلوں کو ہے +

اور انسان اُسی حالت میں فارغ البال ہوتا ہے جب اُس کو ہر ایک قسم کی ضرورت کا جواب اور سامان حاصل ہو اور وہ کسی امر میں محتاج اور سقیم الحال نہ ہو +

بعضوں نے کہا ہے کہ نہیں فارغ البالی کفایت شعاری کا نام ہے۔ جو شخص کفایت سے چلتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے فارغ البال رہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں فارغ البالی کی ضد افلاس اور فلاکت ہے۔ جب انسان کفایت شعار نہیں ہوتا تو وہ ہمیشہ تنگ حال رہتا ہے۔ کسی ضرورت کے پیش آجانے پر بالکل ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ گویا ایسی حالت میں فارغ البالی اس سے رخصت ہو گئی +

ہماری رائے میں یہ دونو رائیں فارغ البالی کے خلاف واقع ہوئی ہیں۔ فارغ البالی نہ تو دولتمند ہونے سے پیدا ہوتی ہے اور نہ کفایت شعاری سے یہ صفت حاصل ہو سکتی ہے۔ فارغ البالی ایک ایسی طاقت اور ایسی صفت ہے جس کا تعلق ان دونو حالات میں سے ایک سے بھی نہیں ہے۔ یہ صفت زیادہ تر انسان کے دل سے لگاؤ رکھتی ہے۔ فارغ البالی کے معنی انسان کا ہر حالت میں خوش رہنا ہے یا ہر ایک حالت لاحقہ یا موجودہ کو خوشی سے قبول کرنے کا نام ہے یہ حالت نہ تو دولتمندی سے ملتی ہے اور نہ کفایت شعاری سے جب تک انسان خود اپنے دل میں فارغ البالی کی صفت پیدا نہ کرے ہرگز نہیں ہو سکتی +

بیسیوں ایسے دولتمند اور متمول دیکھے جاتے ہیں جو باوجود کثرت دولت اور فراغت معاش کے بھی ہمیشہ فارغ البالی سے خالی رہتے ہیں نہ تو اُن کے چہروں سے فراغت کے آثار نمودار ہوتے ہیں اور نہ عمل وطریق سے انہیں جب دیکھو غموم اور ہموم میں ہی غرق اور نالاں رہتے ہیں۔ علےٰ ہذا القیاس کفایت شعاروں کا حال ہے۔ دُنیا میں ایسے ایسے کفایت شعار بھی ہیں جنہوں نے کفایت شعاری سے دولتمند کا خطاب حاصل کر لیا ہے۔ مگر اُن میں بھی فراغت نام کو نہیں پائی جاتی۔ یہ تو ہم مان لینگے کہ اُن کو فراغت معاش ضرور حاصل ہے۔ مگر اس کا کیا جواب ہے کہ دل کا اطمینان جو اصل فراغت ہے،

حملہ اور زد کریں۔ اگر ہمیں یہ حق حاصل ہے تو کیا دوسروں کو ایسا نہیں۔ ہمیں دوسروں کے عمل اور خیال سے مخالفت مناسب ہونی چاہئے نہ یہ کہ اُس کے وجود سے ہی مخالفت اور عناد کی ٹھیرائیں۔ اگر یہی طریق عمل درست ہے تو پھر کسی شخص کو بھی اس دنیا میں چین سے رہنے کا موقع نہیں مل سکتا۔ پبلک معاملات عام لوگوں کے متعلق ہیں اگر اُن میں ہماری کسی سے موافقت نہیں ہے تو اُس تخالف کو عام ہی رکھنا چاہئے کیونکہ اُس کا تعلق عام سے ہی ہے۔ ذاتیات کو معاملات میں لے جانا اور تُو تُو مَیں مَیں پر آجانا تہذیب اور حق جوئی کے خلاف ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے گھر میں دال روٹی کھاتا ہے یا رات کو زمین پر سوتا ہے تو اُسے ایک پبلک معاملہ میں ذکر کر دینا صریح انصاف اور حق کے خلاف ہے۔ اس کا ان عام معاملات سے کیا واسطہ ہے۔ آجکل معاملات اور بحث معاملات کی یہ صورت پائی جاتی ہے کہ عام معاملات سے ناموں اور رشتوں تک نوبت جا پہنچتی ہے اور پھر عدالت میں لائبل ہوتے ہیں۔ یہ وہ راہیں ہیں جن سے معاملات کی صورت ہمیشہ کے لئے بگڑتی ہے اور جو انسان کو مختلف نقصانات میں پھنساتی ہے۔ ہماری عام بحثیں ہمیشہ عام معاملات ہی میں محدود اور محصور رہنی چاہئیں اُن کو ذاتیات اور خاص امور میں منتقل کرنا دوسروں اور اپنے آپ کو خراب کرنا ہے۔ ہم اُن لوگوں کو جو اس طریق پر کسی قدر عمل کرنا پسند کرتے ہیں برادرانہ تنبیہ کرتے ہیں کہ حق کے طریقوں کو حتی المقدور ہاتھ سے نہ دیا جائے۔

فارغ البالی

اس بات میں بحث اور تردد ہے کہ فارغ البالی کیا شے ہے اور وہ کس طرح حاصل ہوتی ہے۔ بہتوں کا یہ مذہب ہے کہ دولت کی کثرت یا امارت سے فارغ البالی ملتی ہے

اپنے کرتوت کا سو سوار کے ڈر سے بڑھ کر ڈر ہوتا ہے اگر اس پر غور کیا جائے تو بہت ہی صحیح اور درست ثابت ہوتا ہے۔ انسان کو جس قدر اپنی ذاتی کمزوریوں اور اغلاط یا لغزشوں سے خوف اور ڈر ہے اس قدر اور کسی چیز اور عمل کا ڈر نہیں ہوتا ہے۔ اس خوف کا زیادہ تر موجب یہ ہے کہ انسان خود اپنی کمزوریوں و ادنا الخر میوں یا فروگذاشتوں کو جانتا ہے ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے اعمال کا نقشہ جا رہتا ہے جب کبھی افشا یا اظہار کا شائبہ بھی گوشۂ خاطر میں گذرتا ہے تو اسی وقت چہرہ خشک اور دل ہراساں اور خوفناک حالت میں ہو جاتا ہے اگرچہ صورت اخفا اور پردہ پوشی ایک ایسی صورت ہے کہ اس سے چند روز تک بات ٹل جا سکتی ہے لیکن تابکے آخر جو کمزوری ہے اس کا اظہار ضروری ہوتا ہے۔ کتنا بند کرو جو درزیں ہیں وہ کسی نہ کسی دن پھٹینگی اور ان میں جو کچھ پول اور کارسازی ہے وہ طشت از بام ہوگی۔ اگر انسان ہر ایک کام کے وقت اپنے انجام کو سوچا کرے تو وہ بسا اوقات اسی قسم کی بے احتیاطیوں اور کمزوریوں سے مامون اور محفوظ رہ سکتا ہے۔ انسان کو اس قسم کی کمزوریاں اور بدعلیاں ہمیشہ اسی حالت میں فریب اور دھوکا دیتی ہیں کہ انسان انجام پر خیال اور غور نہیں کرتا اگر انسان ابتدا میں انجام پر نظر دوڑا لیا کرے تو بہت دفعہ وہ حفاظت میں رہ سکتا ہے۔ کوئی عمل ایسا نہیں جس کے کرنے کے وقت اس کے نتائج اور انجام کی بابت کوئی رائے یا خیال قائم نہ ہو سکتا ہو اور انسان خود ہی اس کی برائی بھلائی پر کوئی استدلال نہ کر سکتا ہو اگرچہ اکثر امور کے نتیجے بعض اوقات الٹے بھی نکل آتے ہیں اور انسان کا تجربہ ناقص بھی ثابت ہوتا ہے مگر ایسی صورتوں اور ایسی حالتوں پر انسان پر کوئی الزام عاید نہیں ہو سکتا الزام تو انہیں حالتوں میں عائد ہو سکتا ہے جو صریح الصورت والاثر ہیں۔ ایسی حالتوں میں انسان انجام کار ایک کامل ندامت سے مقابلہ کرتا ہے۔ اگر اس ندامت کے ساتھ انسان اپنی شجاعت اور علم و فضل کا مقابلہ کرے تو وہ کبھی بھی بازی نہیں لے جائیگا بلکہ اسکو ہی

اُن کو اب تک نصیب نہیں۔ جب تک یہ نہ ہو تب تک کوئی اُنہیں فارغ البال نہیں کرسکتا ہے۔ اگر انسان فارغ البال ہونا چاہتا ہے تو اُس پر لازم ہے کہ وہ کفایت شعاری۔ محنت۔ تردد کو جاری رکھ کر دل کو اطمینان سے مقرون بنائے اور وہ رتبہ پیدا کر کے دکھائے جس سے انسان ہر ایک حالت میں خوش رہ سکتا ہے۔ جس انسان کو صرف دولت سے ہی اطمینان طبیعت حاصل ہوا۔ وہ کیا فارغ البال ہوسکتا ہے۔ ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ کفایت شعاری اور شوق دولت کو چھوڑ دیا جائے۔ نہیں نہیں یہ سب کچھ بھی ہو مگر اُن کے ساتھ ساتھ دل کا اطمینان اور تسلی بھی رہے تو کیا ہی اچھا ہے۔ ہماری ضرورتیں ہمیشہ ہمارے اپنے ارادوں سے متعلق ہیں۔ ہم ایک امیر کی طرح بھی اس دُنیا میں بسر کرسکتے ہیں اور ایک غریب کی طرح بھی۔ اور یہ دونو عمل انسان کے اپنے دل سے وابستہ ہیں۔ فارغ البالی ہمیں دولتمند ہونے اور غریب دونو میں یکساں رکھتی ہے اور دوسری صورتوں میں سوائے بے اطمینانی اور کرب کے اور کیا ملتا ہے +

اپنے کرتوت

گر جوہر جان ما بود پاک
مارا نبود ز ہیچکس باک

اسی کے موافق ایک ہندی قول ہے "سو سوار کا ایسا ڈر نہیں جتنا اپنے کرتوت کا ہے" داناؤں اور حکیموں نے بڑے بڑے تجربوں اور ٹھوکروں کے بعد جو اصول مقرر کئے ہیں اگر ان کی تہ اور اصلیت پر غور کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ واقعی اُن اقوال اور اصولوں میں پورے درجہ کی صداقت اور عذوبت ہے گو اُن کی ابتدائی رکھائی اور عفوصت انسان کو چند لمحوں یا دنوں کے لئے حیران اور سرگردان بنا سکتی ہے مگر جب اخیر اور خاتمہ پر غور کیا جاتا ہے تو عمدگی اور بہتری ہی پیدا ہوتی ہے جس حکیم نے یہ کہا ہے کہ

دراصل فارغ التحصیل ہونے کے بعد کا مطالعہ ایک علمی سیاحت یا سفر بہ طالب علم ہے
کو اس سفر میں جو قواعد اور قوانین علمیہ اور اصول علیہ معلوم اور واضح ہوتے ہیں وہ کالجوں
میں رہ کر کبھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ جن لوگوں یا جن طالبعلموں نے فراغت تحصیل کے
بعد مطالعہ کو چھوڑ دیا ہے وہ انہیں مراتب اور زینوں پر رہے ہیں جو حسب ضابطہ
مدرسوں اور کالجوں میں طے کئے تھے۔ مزید ترقی کچھ بھی حاصل نہیں کی بلکہ اُلٹا پہلے سرمایہ
اور سابق اندوختہ میں کچھ کمی اور گھاٹا ہی ہوا ہوگا۔ ہاں جنہوں نے مطالعہ جاری رکھا ہے
وہ اگر پہلے کمزور تھے تو بعد کو بہت سی اونچی منزلوں تک پہنچ گئے ہیں۔ اگر ان کی طالبعلمانہ
لیاقتوں اور حالات مطالعہ کا مقابلہ کیا جائے تو واقعی ایک حیرانی اور تعجب ہوگا اور ہمیں یہ
سوال کرنا پڑیگا کہ کیونکر انہیں اس قدر ترقیات کا خزانہ مل گیا۔ کوئی حیرانی کا موجب نہیں
جو لوگ تھوڑی تھوڑی کمائی بھی کرتے ہیں کسی روز کو اُن کے پاس بھی ایک وافی سرمایہ ہو جاتا
ہے۔ سرمایہ خود ہی جمع نہیں ہوتا بلکہ جمع کرنے سے اکٹھا ہوتا ہے ✢

مطالعہ بھی کئی طور پر ہے بعض لوگ نری کتابی بحثوں کو ہی بغلوں میں دبائے رکھتے
ہیں وہ اُن محنتوں اور کمائیوں کو دیکھ کر خوش ہو رہتے ہیں جو اُن سے اگلے بزرگواروں
نے کی ہیں وہ ایک جمع شدہ اور مقفل خزانہ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر سرمایہ اس قدر بھی
قابو میں آجائے تو غنیمت ہے مگر ہل من مزید کا سبق کبھی ختم نہیں ہوتا۔ مطالعہ کا ایک
اور عظیم درجہ بھی ہے اگر اُس تک انسان کی رسائی ہو تو اُسے کتابوں اور دوسروں کے
رسالوں سے کچھ نہ کچھ فراغت ہو سکتی ہے۔ دنیا میں ایک اور بڑی کتاب کھلی پڑی ہے
اُس پر لوگ نہ تو نظر کرتے ہیں اور نہ اُن کا مطالعہ ہوتا ہے کتابی مطالعہ سے جو گویا بند ورقوں
میں ہے اور جس کے صفحات بہت وسیع اور دلچسپ نہیں ہیں لوگوں کا دل اُکتا جاتا
لیکن اگر اُس بڑی کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو سوائے دلچسپی کے اور کچھ حاصل ہی نہیں
ہوتا۔ وہ بڑی کتاب یہی مجموعہ عالم ہے جو گویا سارے علوم اور سارے فنون کا منبع ہے

اُس اپنے کرتوت کے آخری اثروں سے ندامت اور ذلّت اُٹھانی پڑیگی - ایسی حالت اور ایسی صورت کا نام کرتوتی ڈر یا کرتوتی خوف ہے - کرتوتی ندامت کے وقت اگر سو سوار بھی ڈرائیں تو اس قدر ڈر نہ ہوگا - انسان اُس وقت دل ہی دل میں لرزتا اور کانپتا ہے مگر ہو کیا سکتا ہے - انجام بینی ایک عمدہ وصف ہے - خوش حالت اور خوش گذران وہی لوگ ہیں جو انجام دیکھا کرتے ہیں - جو لوگ انجام امور پر نظر نہیں ڈالتے وہ مبارک خصلت نہیں بلکہ وہ نامسعود حالت میں بسر کرتے ہیں وہ لوگوں کو دھوکا اور فریب نہیں دیتے بلکہ اپنے ہی نامۂ اعمال کو خراب اور سیاہ کرتے ہیں اُنہیں اس مصرع پر غور کرنا چاہئیے کہ

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

کیا ہمیں اپنے کرتوت سے ڈر نہیں - اگر ڈر ہے تو کیا ہم اپنے عملوں پر منصفانہ غور کیا کرتے ہیں ؟

ایک بڑی کتاب

جب طالب علم کالجوں اور مدرسوں سے فراغت حاصل کرکے نکلا کرتے ہیں تو اُنکے اُستاد اور ہمعصر اُنہیں یہ ہدایت کیا کرتے ہیں کہ انسان کو فارغ التحصیل ہونے کے بعد مطالعہ کتب کو ہمیشہ ترقی دینا چاہئیے - بیسیوں رسالے اور بیسیوں کتابیں اس مطالعہ کے بارہ میں مصنفوں نے لکھی ہیں اور ملک میں اُن کی نہایت ہی قدر کی جاتی ہے - اُن کتابوں میں مطالعہ کے اصولوں اور قوانین پر بحث کی ہے - ایسے مصنفوں نے پُرزور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ انسان کی علمی طاقتیں مطالعہ سے بہت ترقی کرتی ہیں - باقاعدہ پڑھائی کی صورت میں صرف وہی تعلیم ہوتی ہے جس کا رواج کالجوں خواہ یونیورسٹیوں میں ہے لیکن مطالعہ سے انسان اور بھی سیکڑوں مطالب اور رموز پر عبور کرجاتا ہے ؎

افسوس کہ لوگ اس کا مطالعہ نہیں کرتے اگر وہ اس کا مطالعہ کریں تو اُن کو معلوم ہو کہ اس میں کیا کیا عجائبات مخفی اور مستتر ہیں اٹھو اور اس مجموعہ عالم کی قدرتوں اور عجائبات کو نیچر کی کتاب سے دیکھو اور پھر اُس سے طرح طرح کے فیض حاصل کرکے اور بزرگوں کی طرح تم بھی دنیا اور انتظام دنیا کی وسعت اور دلچسپی کا باعث ہو جب تک اس بڑی کتاب کو مطالعہ میں نہ دیکھوگے تب تک کوئی امید نہیں کہ ایسے علوم اور قدرت کے عجائبات کا سرمایہ ہاتھ لگے۔ کیا تمہاری نگاہوں میں یہ عجیب مجموعہ عالم یوں ہی بیکار بنایا گیا ہے۔ کیا اس کی کل حقیقتیں کتابوں اور تحریروں میں قلمبند ہو چکی ہیں۔ نہیں نہیں بہت کچھ باقی پڑا ہے +

تیاگ

نمبر ۱

ملک توراں گذارہ خوش دل باش　　آتشے در وجودِ توراں زن
بہ خرابات رو و خوش بنشیں　　طعنہ بر مملکت سلیماں زن

تیاگ نا ایک ہندی لفظ ہے اس کے معنی کسی لذت یا حظ نفسانی یا دنیا کے ترک اور چھوڑ دینے کے ہیں لیکن اگر حقیقت پر غور کی جاوے تو اس سے ایک قسم کی قناعت کے معنی بھی مستنبط ہوتے ہیں۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص یا فلاں آدمی نے فلاں چیز کو تیاگ دیا تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فلاں نے فلاں شے یا فلاں چیز کو چھوڑ دیا۔ لیکن یہ چھوڑنا عموماً اُس شے کی بے حقیقتی کے سبب نہیں ہوا کرتا اور نہ اس باعث کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اس سبب سے کہ تارک یا تیاگی ایک اور اعلےٰ حقیقت یا مقصد کے واسطے اس شے یا اس چیز کو ترک کرتا ہے۔ دنیا میں اکثر ایسے لوگوں کا نشان ملیگا جو دنیا اور دنیا کی اکثر لذات اور اذواق اور اشیاء کو چھوڑ کر

تیاگی اور تارک ہوکر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اکثروں نے دنیا کی آبادیوں اور شہروں اور انسانی صحبت کو ترک کرکے بیابانوں اور ویرانوں میں بسیرا کرلیا ہے۔ اکثر لوگ دور دراز پہاڑوں اور بلند چٹانوں اور اُجڑے کھنڈرات میں رہ کر حیاتِ مستعار کے چند ایام کو گذارتے ہیں۔ یہ طریق عمل نرا عوام الناس میں ہی مرعی اور ملحوظ نہیں پایا جاتا اور نہ عام لوگ ہی اس کے مشتاق اور مونس ہیں بلکہ فاضلوں اور حکیموں اور فلاسفروں میں اس دُھن کی خوبو پائی جاتی ہے جن فلاسفروں اور جن حکیموں کی ذات ستودہ صفات سے دنیا اور دنیا کی نسلوں کو بہت سے فوائد ملے ہیں اور جو باوجود سیکڑوں برسوں سے مرچکنے کے اب بھی قوموں اور نسلوں میں زندوں سے زیادہ شہرت اور عزت کے مالک ہیں ان میں سے بھی بیسیوں حکیم اور بیسیوں فلاسفر تیاگی اور تارک ہی ثابت ہوئے ہیں اور اُنکے حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے خاص عزم یا شوق اور تحقیقات سے دنیا اور دین کی چیزوں کو تیاگا۔ گویا ایسے حکیموں اور فلاسفروں کی حکمت اور فلسفی نے ہی انہیں اس ترک اور تیاگ پر اجازت دی اگر ان لوگوں کی تحریرات اور تحقیقاتوں کو دیکھا جاوے تو کچھ دلائل اور موجبات تیاگ اور ترک کے بھی معلوم ہوتے ہیں اور اُن سے اس قدر ثبوت نکلتا ہے کہ ان کا تارک یا تیاگی ہونا خالی از حکمت اور نرا بے دلیل ہی نہ تھا اور اگر اور بھی غور اور تحقیقات کو وسعت دی جاوے تو پایا جاتا ہے کہ اس قسم کے حکیموں کا گویا ایک خاص فرقہ ہے خاص کر ایشیا اور یونان میں جو حکیموں کی کان تھی اس قسم کے بہت سے نشانات پائے جاتے ہیں۔ حکیم دیوجانس کلبی ایسے حکیموں میں سے ایک مشہور حکیم یا فلاسفر ہے اُس کو تیاگ اور ترک کا یہاں تک شوق تھا کہ وہ آدمی کے سایہ کو بھی گویا خیالات کی روک اور سدِ سکندری سمجھتا تھا۔ ہندوستان میں اس قسم کے حکیموں کا بہت زور رہا ہے۔ جوگ اور سنیاس کی بنیاد انہیں خیالات سے ہندوستان میں قائم ہوئی تھی اور ان فرقوں کے موجدین اور قائم کنندگان دراصل حکیم اور فلاسفر

یا حکیم اور فلاسفر مزاج تھے - ان لوگوں نے تیاگ کو حکیمانہ اور فلاسفرانہ طریقوں اور ڈھنگوں سے شروع کیا تھا مگر رفتہ رفتہ ان میں پھر اس گرستی اور دنیاداروں کی خو بو دخیل ہوتی گئی - یہ لوگ ابتدا میں اسی تیاگ اور ترک علائق کی صورت میں جواہر حکمت اور دُرر عجائبات قدرت کی تلاش اور جستجو میں رہتے تھے اور ان کو سینہ بہ سینہ اپنے اپنے تلامیذ ارشد کے وسائل سے ظہور میں لاکر افضائے عالم کے اطراف مظلمہ کو روشن و تاباں بناتے تھے - گو اس وقت ہندوستان کے ہاتھوں میں ان متبرک اور مقدس لوگوں کے ملفوظات اور محققات میں سے کوئی یادگار اور ذخیرہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ چند خلط ملط اقوال اور ملفوظات کا مجموعہ ردی اور محتمل الکذب حالت کی صورت میں اکثر مقامات میں پایا جاتا ہے جس کی شکل اور حقیقت ایسی خراب اور مسخ ہوگئی ہے کہ اب لوگ انہیں مزخرفات کا مجموعہ سمجھتے ہیں - کہا کرتے ہیں کہ اگر موتی ریت اور خاک میں بھی جا پڑے تو پھر بھی کسی نہ کسی وقت اپنی چمک دے ہی جاتا ہے اسی طرح پر یہ جواہر حکمیہ بھی باوجود اس خلط ملط کے رموز حکمیہ اور عقد الٰہیہ کے کھولنے میں اب بھی کام دے ہی جاتے ہیں ؛

ہندوستان کے سوا اگر یونان اور چین کے حکیموں اور فلاسفروں کی لائف اور سوانحات کو دیکھا جائے تو ان میں سے بہت سے حکیموں اور فلاسفروں کی زندگی کے دن اس تیاگ کی چاشنی سے قرین قرین نظر آتے ہیں اور ان سے پایا جاتا ہے کہ ان کی طبیعتوں میں ترک اور تیاگ کا ذوق پایا جاتا تھا - ارسطو - سقراط - فلاطوں کے اکثر اقوال اور نصائح سے اس کی بو اور رنگ ترشح اور ظاہر ہوتا ہے گو وہ لوگ گرستی بھی تھے مگر پھر بھی ایک طرح کے تارک اور تیاگی تھے - انکی زندگی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تیاگ کے ساتھ دنیا کی اصلاحات کو بھی اسی دنیا میں رہ کر پورا کرنا چاہتے تھے جہاں ممالک اور اقوام کے نظم و نسق اور اخلاق کو

بحث اور طبع آزمائی کرتے تھے وہاں انہیں اس بات کا بھی شوق تھا کہ لوگوں کی طبائع
اور قلوب اور خواہشات کو دنیائے دوں کے لذائذ اور اذواق واہمہ اور خیالات اشواق
ردیہ سے حتے المقدور متنفر اور باز رکھتے رہیں۔ ارسطو اپنی زندگی میں گو سکندر کو مواعظ
حکیمانہ اور اصول مدبرانہ سے بھی خبیر اور بصیر کیا کرتا تھا مگر ساتھ ہی ساتھ دنیائے دنی کی
برائی اور بے وفائی سے بھی آگاہ اور واقف کرتا جاتا تھا۔ ارسطو کا کوئی ایسا وعظ اور
نصیحت نہیں جس میں دنیا کی بیوفائی اور بدی کا وعظ اور دلچسپ اور موثر کچھ نہ ہو۔
علےٰ ہذالقیاس ارسطو کی عام نصائح کا حال اور طریقہ تھا۔

تیاگ

نمبر ۲

لکھا ہے کہ حکیم ارسطو نے ایک دفعہ سکندر کو کہا کہ " اے سکندر میں نے تجھ سے
کئی بار کہا ہے کہ اصل بات سخاوت کرنے اور ملک کے باقی رہنے میں یہ ہے کہ لوگوں کے
مال ومتاع کو طمع کی نظروں سے نہ دیکھا جائے۔" گو ارسطو کی یہ نصیحت ایک اولوالعزم اور
جری بادشاہ کو تھی جس کی پیدائش اور خلقت ہی گویا خون خرابہ اور لڑائیوں کی خاطر ہوئی
تھی مگر پھر بھی ارسطو نے اس بادشاہ کو بھی عجب وتکبر کے ترک اور تیاگنے کی ہی نصیحت
کی ہے یہ تو ممکن نہ تھا کہ سکندر حکومت اور اپنی جبروت کو ترک کر دیتا چنانچہ اس نے مرتے
دم ... نہیں کیا مگر ارسطو نے اس کے دل کو تو ایک دفعہ متوجہ کر ہی دیا۔ پھر ارسطو ایک
جگہ پر اپنے ملفوظات میں کہتا ہے کہ " ترک ہوا وہوس صفات ملائکہ میں سے ہے۔"
علےٰ ہذالقیاس اور بیسیوں اس کے اقوال ہیں۔ کتب سیر میں لکھا ہے کہ افلاطون
بڑھاپے میں تن تنہا گوشۂ صحرا میں بیٹھا ہوا رویا کرتا۔
حکیم دیو جانس کلبی اس قدر تارک اور تیاگی تھا کہ ایک دفعہ اس سے سوال کیا گیا

کہ تجھ کو مرنے کے بعد کون دفنائیگا کیونکہ تو سب سے الگ تھلگ رہتا ہے دیوجانس نے جواب دیا کہ جب میرے وجود کی سڑن اور بدبو سے لوگ تنگ ہونگے تو خود بخود ہی دفن کردینگے۔ علیٰ ہذالقیاس اور حکیموں اور فلاسفروں کا حال و قال ہے +

یہ پوچھا جائیگا کہ ان لوگوں کو اس تیاگ اور ترک خلائق کی کیا ضرورت تھی۔ اگرچہ یہ معاملہ بہت ہی طویل اور نازک ہے مگر ہم باوجود اس نزاکت اور طوالت کے جواب میں کہینگے کہ ان لوگوں کو یا جو اس طبیعت اور حوصلہ کے ہوں ان کو واقعی اس ترک اور تیاگ کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس کوچہ اور جس راہ میں یہ لوگ قدم زن اور سالک ہوتے ہیں اُس کا اصول اور مانا ہوا مقولہ ہے کہ انسان جس قدر اپنے آپ کو خواہشات اور علائق دنیوی میں پھنساتا اور جکڑتا ہے اسی قدر اس کا دل اور روح بھی گرفتار اور مایوس ہوتی جاتی ہے اور یہ بات بھی اُسی کے ساتھ ضمیمہ کے طور پر تسلیم اور قبول کی گئی ہے کہ ان علائق عارضہ اور خواہشات ملحقہ کے عروض اور الحاق سے قلوب اور ارواح ان تحقیقات حکمیہ اور انوار باطنیہ کے ادراک اور حصول سے قاصر رہ جاتی ہیں جن کا اظہار اور ادراک خاص کر قوائے قلبیہ اور انوار روحانیہ سے ہی مربوط اور منسوب ہے۔ انسان کے دماغ میں بباعث ابخرۂ اغذیہ و اشربہ ردّیہ ناقصہ کے آفت اور خلش محسوس ہو تو ہمیشہ اُس کو غور اور خوض میں غلط کاری اور سقم پرستی کا راستہ اختیار کرنا پڑیگا اور وہ آسانی اور سہولت سے مقامات عالیہ اور نقاط متفوقہ تک رسائی اور آشنائی نہ کرسکیگا۔ اسی وجہ سے اطبائے حاذق اور حکمائے ماہر نے لطافت دماغ اور نفاست قوائے عالیہ کے واسطے حیل [illegible] اور اصول مفیدہ تجویز کر رکھے ہیں۔ جو دماغ دنیا کے کاموں اور ضروریات میں کام کرتا یا دیتا ہے وہ گویا اس کوچہ میں رہنے تک اُس کوچہ سے بالکل نابلد ہوتا ہے۔ کیا ایک تھوڑی سی آفت اور خلش ایک بڑے دماغ کو بے راہ اور ماؤف نہیں کرسکتی۔ کیا ایک بھونرے کی بھن بھناہٹ ساری مجلس کو بے چین بنانے اور تنگ کرنے کا اثر نہیں رکھتی؟۔

اگر یہ سب آفتیں انسان اور انسان کے قوائے پر اثر ڈال سکتی ہیں تو ضرور ہے کہ ایسی ہی ناقصات اور موجبات انسان کی اور بھی اعلےٰ قوتوں اور طاقتوں کو نقصان اور زیان پہنچا سکتے ہوں جن درجوں اور جن رتبوں پر حکیم اور فلاسفر پہنچے ہیں وہ دُنیا کے عام رتبوں اور ترقیات سے کہیں بڑھ کر فائق اور اعلےٰ ہیں اُن کی نفاست اور لطافت بھی ایک خاص درجہ اور حد کی ہے جو اس کے ناقصات اور متضاد اولہ اسباب ہونگے وہ بھی ایسے ہی سریع النفوذ سمجھنے چاہئیں۔ یہی ضروریات اور اسباب ہیں جن کی وجہ سے ترک علائق کو بعض حکماء نے مرعی اور جائز رکھا ہے۔

لیکن یہ جواز عام لوگوں کے واسطے نہیں ہے خود ان حکیموں اور مہاتما پُرشوں نے اس کے بارہ میں جو شرائط اور قیود لگا رکھی ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ راہ بہت ٹیڑھی اور کج ہے ہر ایک متنفس کا کام اور دل گردہ نہیں کہ اس پر سالک ہو کر منازل مقصود کو طے کرکے گوہر مراد کو ہاتھ میں لائے اس واسطے ان میں سے بعض رکھیوں اور سنیاسیوں اور عابدوں خدا ترسوں نے اس کی مشکلات اور ان کی ہمتوں پر قیاس اور خیال کرکے ولی سنیاس کو مقدم رکھ کر عام لوگوں کو اس طرف توجہ دلائی ہے گویا حکیموں نے خود ہی اس کی دو قسمیں اور دو شقیں کر دی ہیں۔ ایک شق ترک علائق یا التکلیف۔ اور دوسری متعلق بالخیالات بالقلب ہے۔ اگر حکیموں کی زندگی اور سوانحات کو نظرِ غور سے پڑھا اور دیکھا جائیگا تو یہ دونو سلسلے ثابت ہونگے۔ بہت سے حکیموں نے دنیا کے تعلقات اور ضروریات کو قائم رکھ کر دنیا اور دنیا والوں کو سودمندی کی راہیں بتائی ہیں اور چند حکیموں نے پورے طور پر قطع علائق کرکے جواہر حکمت اور انوار علوم لایزال کو ہاتھ میں لیا ہے مدارج میں گو دونو حکیم اور دونو فرقوں والے قابل عزت اور مساوی ہیں مگر جن لوگوں نے دُنیا میں رہکر ہی دنیا داروں کو سودمندی کی راہوں پر لگایا ہے وہ واقعی زیادہ تر قابل عزت اور اکرام کے ہیں کیونکہ انہوں نے

نے درحقیقت دو کام کئے ہیں ایک اپنے آپ کو علوم کے اقتصا سے اطلاعت پر پہنچایا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ ان انوار حکمیہ سے دُنیا اور دنیا والوں کو فائدہ پہنچایا دوسرے فرقے کے لوگ اگرچہ بلحاظ حکمت اور عابد ہونے کے اسی طرح پر قابل تعظیم اور لائق عزت و تکریم ہیں لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ان کی محنتیں اور ریاضتیں یا معلومات زیادہ تر اپنی ذات کی صفائی اور تقدس کے واسطے محدود اور محصور ہیں اُن سے انہیں شخصوں نے فائدہ اُٹھایا ہے کہ جو خود اس طرف رجوع لاتے ہیں +

تیاگ

نمبر۲

خیر دونو فرقوں سے دُنیا کو فائدوں کی اُمید اور لولگی رہی ہے۔ کسی کو بیٹھے بٹھائے فائدہ پُہنچایا گیا اور سودمند راہیں دکھائی گئی ہیں۔ اور کسی نے خود ہی اُن لوگوں اور بزرگوں کے دروں پر جاکر نفع حاصل کیا ہے۔ اب بحث اس میں ہے کہ یہ طریقہ ترک علائق اور تیاگ کا جو حکیموں اور فلاسفروں نے پسند کیا کیا اس کی کسی طریقہ اور کسی اصول پر عام لوگوں کو بھی ضرورت ہے اور کیا لوگوں کو اس طرف توجہ اور رجوع کرنا چاہئے؟ +

اگر تیاگ اور ترک علائق ان معنوں میں لیا جائے کہ سب لوگ ترک علائق کرکے پہاڑوں اور غاروں میں جا جاکر اوقات بسری کریں اور دنیا کے دھندوں بکھیڑوں کو بالکل چھوڑ چھاڑ دیں تو یہ ایک سخت دشوار راہ ثابت ہوگی کیونکہ اوّل تو دنیا میں سارے مادے ایسے کہاں سے آئینگے کہ وہ بوریا بندھنا سنبھال جنگلوں میں اللہ ہُو کرنے کو تیار ہوں اور دوسرے اس طور پر کرنے سے دنیا کے انتظام میں انقلاب کا اندیشہ ہے اِسی سخت انقلاب کے خطرات سے بعض نامور حکمائے قدیم نے متنبہ ہوکر اس راہ تیاگ اور ترک علائق کو چھوڑ چھوڑ کر گرست کو قائم رکھ کر انوار حکمیہ کی اشاعت عام کی ہے +

اگر ان معنی خاص اور محدود کو چھوڑ کر یہ مراد لی جائے کہ باوجود عدم قطع علائق دنیوی معنًا تیاگ اور ترک کو عمل میں لایا جائے تو البتہ سلسلہ بندی ہو سکتی ہے اور اگر حقیقتًا دیکھا جائے تو ثابت ہوگا کہ یہ صورت موخرہ دُنیا کے حق میں بہ نسبت صورت اول کے کہیں زیادہ تر مفید اور مناسب ہے کیونکہ اس سے افادہ عام متصور ہے اور پہلی حالت میں اِس افادت عام کا وجود باقی نہیں رہتا کیونکہ اِس فیشن کے لوگ جب دُنیا اور دُنیا والوں سے ہی قطع علائق کر لیتے ہیں تو ان کی ذات سے افادت عام کی کیا سبیل ہو سکتی ہے ہاں اِس دوسری صورت میں افادت عام متصور ہے اگر ایک طبیب حاذق ایک بیابان میں بیٹھ کر اپنی کوٹھری کا دروازہ بند کر کے امراض کا دفعیہ کرنا چاہے تو یہ بہت ہی مشکل ہوگا +

عام افادت تو اسی حالت میں وجود پذیر ہو سکتی ہے جب وہ طبیب حاذق اپنے در فیض کو عام و خاص پر جرات کے ساتھ وا کر رکھے ۔ تیاگ اور ترک کے دوسرے معنی اس قسم کے ہیں کہ اُن سے اس دُنیا کا چرخا بھی چلتا رہتا ہے اور جو لوگ گرست کے شامتوں اور پُرخوف علائق میں گرفتار ہیں اُن کو بھی استفادہ کا موقع ملسکتا ہے ایسا کوئی طریقہ اور کوئی قاعدہ نہیں ہے جس سے ہم سب طبائع کا میلان اور رجوع ایک ہی جانب کر سکیں ۔ جب یہ صورت نہیں ہے تو پھر ہمیں ایسے مفید عام اصول کی پیروی کرنی لازم ہے جو ہر ایک کے حق میں فائدہ مند ثابت ہو ۔ وہ طریقے اور وہ اصول نہیں ہیں کہ اِس دُنیا کے مشاغل کی چار دیواری میں رہ کر ایک الگ طبیعت اور الگ دماغ و دل پیدا کیا جائے باوجود مشاغل کے دِل اور روح کو ان شواغ پر لگایا جائے جو روح کی پاکیزگی پیدا کرتے ہیں اور جس سے وہ منافذ کھلتے ہیں جو دوسری دُنیا یا دوسرے جنم کی طرف جاتے پائے جاتے ہیں ۔ اِسی حالت میں بہت سے ایسے مشاغل اور اذکار ہیں جن سے انسان کی روح اور آتما گویا باوجود مشاغل اور دنیاداری

کے اپنے آپ کو الگ اور پاک اور صاف رکھ سکتی ہے اپنے ابنائے جنس اور مخلوق خدا
کی خدمت کرنا اور فوائد عامہ کو ملحوظ رکھنا ایک ایسی پر اثر اور مفید راہ ہے جو ہر ایک ایسے
بزرگوار انسان کو تیاگ کے عالی رتبہ تک مع دیگر فضائل کے رسائی کرا سکتی ہے۔ تیاگی
تو صرف اپنے آپ کو ہی فائدہ پہنچاتے ہیں ایسے لوگ حقوق عام کو ادا کر کے خود بھی مدارج
علیا تک جاتے اور دوسروں کو بھی فوائد بلیغ پہنچاتے ہیں۔ دل سے مخلوق خدا کی خدمات
کو مقدم رکھنا اور اپنے ذاتی اغراض کو رفتہ رفتہ چھوڑتے جانا ایک اعلےٰ درجہ کا تیاگ
اور ترک علائق ہے نہ تو یہ ایک کوٹھری میں بیٹھ کر نصیب ہو سکتا ہے نہ ایک چاردیواری
میں۔ بلکہ اس کا ظہور ایک عام حالت اور عام اشغال میں ہوتا ہے جو لوگ دنیا اور مخلوق
کے فوائد اور اغراض کی خاطر اپنی آرام اور آسایش کو بالائے طاق رکھتے ہیں وہ دراصل
ایک تارک اور ایک تیاگی ہیں اگر وہ اس دنیا سے الگ ہو کر کسی کوٹھری یا کسی بیابان
میں جا کر تنہا رہتے اور اپنی ہی عافیت کی خیر مناتے تو ان کا یہ عمل اس قدر فائدہ مند
نہ ہوتا جس قدر اس چاردیواری میں بیٹھ کر ان کی ہمدردی سودمند ثابت ہوتی بیشک
الگ ہو کر تو ایک شخص کمالات نفسانی اور خصائل روحانی حاصل کر سکتا ہے لیکن
بہادری اور مردانگی تو اس میں ہے کہ انسان اور مخلوق خدا کو بھی فائدہ پہنچا کر اپنی عاقبت
کو درست کرے ایک مذہب میں لکھا ہے کہ عابد کی چند سالہ عبادت اور واعظ کا ایک
وعظ برابر ہے واقعی یہ درست اور صحیح ہے ہر ایک عابد اور زاہد اپنے ہی نفس اور ذات کو
درست کر سکتا ہے لیکن ایک عام واعظ دوسرے نفوس اور دوسری ذوات کو ٹھوکروں
اور بدیوں سے بچنے کی ہدایت کرتا ہے۔ کیا خود ڈوبنے سے بچنا اور دوسروں
کو ڈوبنے سے بچانا دونوں یکساں اور مساوی ہیں ہرگز نہیں وہ کچھ اور ہے اور وہ کچھ
اور۔ آجکل کا سنیاس اور تیاگ کیا ہے۔ اپنے ابنائے جنس کی خاطر تکالیف بدنی اور تجربی
کو اٹھا کر انہیں سودمند راہوں پر لانا اور لگانا ہے کیونکہ ملک اور قوم میں ایسی کی سخت

ضرورت اور حاجت ہے رکھی اور سنیاسی بن کر جنگلوں اور پہاڑوں میں بود و باش کر کے اپنے انوار کو پتھروں اور جانوروں کے سامنے پیش کرنا اپنے بھائیوں کو اپنے انوار اور فیوض سے محروم رکھنا ہے۔ حالانکہ انہیں ہی اُن کمالات اور فیض انوار کی سخت ضرورت ہے۔ نہیں نہیں یہ سنیاس کوئی فائدہ مند نہیں ہے۔ روحانی سنیاس قائم رکھ کر اپنے ابنائے جنس کو نائدے اور منافع پہنچاؤ اور اُن کی قومی خدمات بجالاؤ یہ ہی اصلی سنیاس ہے ٭

تیاگ

نمبر ۲

یہ زمانہ اور یہ دور وہ ہے جس میں کوئی کام ایک دوسرے کی امداد اور معاونت کے سوا نہیں ہو سکتا اور خصوصاً ان قوموں اور فرقوں کے واسطے اس کی بہت ہی ضرورت ہے جو دوسری قوموں اور دوسرے فرقوں سے پیچھے رہ گئے ہیں اب اس بات پر بحث اور تنازعہ کرنا کہ کیوں اُن قوموں میں یہ نشیبی صورتیں ذیل ہوگئیں ایک دور دراز بحث کو چھیڑنا ہے اس ادبار اور تنزل کے کچھ ہی اسباب ہوں یہ تو بہر صورت تسلیم کرنا پڑیگا کہ اُن اقوام اور ان فرقوں کو ایک مدت خاص سے تنزل اور ادبار آرہا ہے ایسی نازک حالتوں میں تیاگ اور یہ ترک علائق کبھی بھی سودمند نہ ہوگا کہ پہاڑوں کے غاروں میں بیٹھ بیٹھ کر زندگی بسر کیجائے اور اُن قوائے دینیہ اور لطائف روحانیہ کو محض اپنے ہی نفس کے واسطے مخصوص کیا جائے جن سے سارے ابنائے جنس کو منافع کثیر پہنچ سکتے ہیں ایسی صورتوں کے وقت میں ایسا کرنا خود اپنے ہی ابنائے جنس کے ساتھ ایک بخل کرنا ہے ہاں اگر انہیں اُن فضائل اور ان امور کی ضرورت یا حاجت نہ ہو تو پھر اس علیحدگی کے کچھ معنی اور مطلب ہو سکتے ہیں لیکن ضرورت اور حاجت کی صورت میں بخل کرنا کیا معنی

رکھتا ہے اس زمانہ میں ترک علائق سے یہ مطلب اور یہ مفہوم مراد نہیں کہ مفید امور اور سود مند راہوں کو بند ہی رہنے دیا جاے اس وقت ہر ایک لائق اور فائدہ رسان شخص کو عام افادت کے اغراض سے میدان میں آکر مساعی اور کوشش دکھانی لازم اور فرض ہے اس وقت دوسرے ابنائے جنس کی خاطر اپنی آرام اور اپنی آسائش کو ترک اور محدود کر کے امور مفیدہ کی کوشش یا اشاعت کرنا ایک اعلےٰ درجہ کا تیاگ اور ترک لذات ہے اس زمانہ میں جو لوگ قوموں کے سچے اور صادق القلوب ریفارمر ہیں اور جنہوں نے اپنی زندگیوں اور ایام حیات میں قوموں اور اپنے ابناے جنس کی اصلاح اور نظر ثانی کی ہے اور اپنے ہمقوموں سے بجاے توصیف اور تعریف کے گالیوں اور دشنام اور بدنامی کا ڈپلوما حاصل کیا ہے اور باوجود اس کے اُسی فائدہ رسانی اور ہمدردی کی دھن پر پکّے اور قائم رہے ہیں دراصل وہ سچے اور صادق العہد تیاگی اور تارک ہیں وہ اس وقت ان تیاگیوں سے صدہا درجہ اچھّے ہیں جو بوریا بندھنا اٹھا پہاڑوں کی چوٹیوں اور غاروں میں آسن بچھا کر بیٹھتے ہیں وہ اِس اپنے تیاگ اور ترک خلائق سے اوروں کے فوائد اور منافع کے لئے لاکھوں خوں خرابہ کر کے صرف اپنے ہی ذات خاص کو منور اور تاباں کرتے ہیں اُن کی عبادتوں اور زہد سے صرف انہیں کو فائدہ اور بہبود ہوگا اوروں کو کیا فائدہ ہے یا جو اُن کے پاس جائیگا وہ فائدہ کی صورت دیکھیگا ورنہ اَوروں کو کیا سود اور فائدہ ہے مگر برخلاف اُن بزرگواروں اور مہاتما پرشوں کے وہ لوگ نہایت ہی عزّت اور قدر کے قابل ہیں جو اسی انجمن میں رہ کر اپنی کوششوں اور اپنے مساعی وافیہ سے تمام مخلوق اور ابناے جنس کو فوائد اور منافع پہنچا کر مشکور کر رہے ہیں جو شخص صرف اپنا ہی پیٹ پالتا ہے کیا وہ اچھا ہے یا وہ جو خود کماتا اور اپنی جان مارتا ہے اور پھر اس اندوختہ میں اَور لوگوں اور بھوکوں کا بھی مناسب حصّہ مجرہ کرتا ہے کیا وہ دِیا اچھّا ہے جو صرف ایک چاردیواری کو روشن اور منوّر کرتا ہے یا وہ لیمپ جو سارے گھروں

اور سارے احاطوں میں نور پہنچاتا ہے نہیں نہیں وہی لیمپ عزت پائیگا اور اُسی کی اس وقت سخت ضرورت ہے جو سب گھرانوں کو روشن کرتا ہے جو لوگ اس وقت قوم اور ملک میں باکمال اور باصفاتِ عالیہ ہیں اُن کا فرض ہے کہ وہ پُرانے تیاگ اور ترک علائق کی خاص راہوں کو چھوڑ کر اُن راہوں پر سالک ہوں جو ایک عام سدابرت کا رتبہ رکھتی ہیں اور جن سے پھر ایک رہ رو اور آیند روند کو فائدہ پہنچتا اور آزوقہ ملتا ہے اب وہ زمانہ اور وہ وقت نہیں رہا کہ پہاڑوں یا کھوں میں بیٹھے بیٹھے کر اپنی نفسانی قوتوں اور روحانی فیوض کو تلف اور محدود کیا جاے اب اس تیاگ کا زمانہ ہے کہ مرد میدان ہو کر اپنے ذاتی آرام اور آسایش کو ترک کر کے مخلوق خُدا اور اپنے ابناے جنس کو فائدہ پہنچایا جاے اور جہانتک ہو سکے اپنی قوم اور اپنے ملک کو ایسے راستوں اور شوارع پر لگایا جاے جو انسانی کمالات کے مقدس منازل تک رہبر ہو سکیں۔ جب کُل قوم کے افراد اپنے سُود اور بہبود کو جاننے لگینگے اور اُن کی عقول میں خیر اندیشی کے مواد پیدا ہونگے تو اس وقت وہ خاص تیاگ اور ترک علائق بھی کہیں نہیں گیا پھر چاہے پہاڑوں میں ہی تمام عُمر اور تمام اوقات کو گذار دو لیکن اس وقت سب سے بڑا تیاگ اور ترک علائق یہ ہے کہ اپنے انوار اور کمالات کی برکت اور زور سے دیگر ابناے جنس کو مستفید اور مستفیض کیا جاے اور اُنکی خاطر اپنی لذات نفسانی اور سودمندیوں ذاتی کو تیاگا جائے کیا یہ ترک اور کیا یہ تیاگ دُنیا میں تعریف حاصل نہیں کریگا۔ کیا یہ تیاگ ساری قوم کے حق میں آبحیات نہیں ہے +

طالب علم

جب تک لوگ کالجوں۔ مدرسوں۔ یونیورسٹیوں میں رہتے ہیں تب تک سمجھتے ہیں کہ ہم طالب علم ہیں اور تب تک اس نام کو اپنے حالات اور خیالات کے

موزوں جانتے ہیں لیکن جب مدرسوں اور کالجوں سے رخصت ہو آتے ہیں تو گویا اس نام کو پسند نہیں کرتے اُن کے خیالات میں طالب علم کا زمانہ اُسی مدت کا تھا بس اب اس کی عمر ختم ہوگئی اور اب وہ اس درجہ یا اس حد سے نکل گئے ۔ کیا اُن کے یہ خیالات درست اور مطابق واقعہ ہیں؟ ہرگز نہیں جب تک انسان زندہ ہے اور جب تک اس کی روح اس دنیا میں سیر کر رہی ہے تب تک وہ ایک پکا طالب علم ہے اگر وہ خود اس نام کو قبول نہیں کرتا تو اُس کا یہ اپنا خیال ہے ۔ ورنہ اس کے طالب علم ہونے میں کیا شک ہے علم سے مراد وہی علوم اور مختصر فنون نہیں ہیں ۔ جو کالجوں اور اسکولوں میں بطور اولیات کے طالب علموں کو تعلیم اور تدریس ہوتے ہیں ۔ اِس تعلیم اور تدریس کے ہزاروں ہی اور مدارج قابل تحصیل باقی رہتے ہیں ۔ کیا اُن ضروریات کو انسان نے کالج اور مدرسے میں حاصل کر لیا ہے اس کو کل امور سے فراغت ہوگئی ہے؟ نہیں نہیں اُس نے ابھی دُنیا کے علوم اور ضروریات اور عجائبات کی ابجد بھی نہیں سیکھی ۔ وہ کالجوں میں سیکھ کرنے کے قابل ہوا ہے ۔ وہ جب تک جیئے گا اس پر ہر علم و فن کا حصول لازم آئیگا +

انسان جو کچھ امور بعد از ایام طالب علمی کے لوگوں سے دریافت کر کے حاصل کرتا ہے کیا وہ اس کو قبل از دریافت یا ادراک بالعموم کے علوم تھے؟ کیا ان معلومات کی نسبت وہ طالب علم نہیں کہلائیگا +

جو لوگ طالب علمی کے زمانہ کو بہت ہی مختصر قرار دیتے ہیں وہ سب غلطی پر ہیں انسان اپنی تمام عمر میں پکا طالب علم رہتا ہے ۔ وہ ہمیشہ دوسروں سے جدید معلومات اور امور کو اکتساب کرتا ہے ۔ وہ جب کبھی ایک ادنے امر میں رہ جاتا ہے تو اُسے انکشاف حقیقت کے واسطے اوروں کی طرف بعجز رجوع لانا پڑتا ہے ۔ انسان کا علم کسی صورت میں کامل اور تمام نہیں ہوتا ۔ وہ ہمیشہ خیالات کی درستی اور مزید انکشاف کا محتاج رہتا ہے ۔ جو لوگ اس زمانہ کے اقطاع مختلفہ میں حکیم اور فلاسفر قرار دئے گئے ہیں اُن کی [illegible]

زندگی طالب علمانہ گزری ہے۔ وہ ہمیشہ جدید امور کے دریافت میں رہتے اور اپنے آپ کو ایک صادق طالب علم سمجھتے رہے۔ اُن کی اِس وسیع الحالت طالب علمی ہی کا یہ اثر ہے کہ اُن کی معلومات سے اس وقت ساری انسانی جماعتیں استفادہ اُٹھا رہی ہیں۔ اگر اُن بزرگوں کی زندگی طالب علمانہ نہ گزرتی تو ہم کبھی اُن حقائق اور امور کو دریافت نہ کرتے۔ اُن بزرگواروں نے قالبوں کو چھوڑ کر اُس نام کو ایک عزت کے ساتھ اپنا رفیق بنایا اور جب تک ان کی جان قالب میں رہی وہ اپنے آپ کو دُنیا کی حقیقتوں کے سامنے ایک ابجد خوان سمجھتے رہے۔ اسحاق نیوٹن جب مرنے لگا تو اُس سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے کس قدر علوم و فنون کو حاصل کیا؟ اُس نے جواب میں کہا کہ علوم اور فنون کے مقابلہ میں میری نسبت ایسی ہی ہے جیسے کوئی کنارہ سمندر پر ٹھیکریاں چنتا ہو۔ افلاطون سے پوچھا گیا تھا کہ اِس جانکندنی کے وقت آپ کا کیا حال ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ حالت اضطراب میں یہاں آنا ہوا اب جانے کو جی نہیں چاہتا۔ اور اب جانا کہ میں نے اِس دُنیا میں آکر کچھ نہیں جانا۔ سچی اور لطیف زندگی وہی ہے جو ہمیشہ طلب علوم اور اکتساب فنون میں رہتی ہے۔ جو لوگ طلب علم سے گھبراتے اور اس سلسلہ کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں وہ اپنی زندگی کو معلومات کے اعتبار سے ایک کمی اور گھاٹے میں رکھتے ہیں۔ یہ کہا جائیگا کہ مرنے کے بعد ان معلومات کا انسان کو کیا فائدہ ہوتا ہے اس کی بابت ہم پھر کبھی مفصل بحث کر کے ثابت کرینگے کہ طالب علمی کا زمانہ مرنے کے بعد بھی بس اور ختم نہیں ہوتا۔

مُراد بر نیّت و نیّت بر مُراد

غالباً یہ فقرہ مُراد بر نیّت کی ترتیب میں دُرست ہی اُتریگا لیکن بعض لوگ اُسے نیّت بر مراد کی صورت میں ہی اطلاق کرتے ہیں شاید یہ نیّت پر مُراد سے بگڑ کر نیّت بر مُراد

ہوگیا ہے خبر کچھ ہی ہو مراد اس فقرے یا ضرب المثل سے یہ ہے کہ انسان کو اپنی نیت کے موافق مراد یا پھل ملتا ہے جیسی انسان کی نیت ہوتی ہے اُسی کے موافق اس کو پھل یا مراد ملتی ہے شاید اسی فقرے کے قریب قریب الفاظ میں مختلف اور معانی میں یکساں فقرے دیگر زبانوں میں بھی پائے جائینگے کیونکہ کل انسانی جماعتوں کو اس کے معانی پر اتفاق ہے اور ہر ایک جماعت کا گویا یہ مذہب ہے کہ انسان کو نیت کے موافق مراد ملتی ہے +

یہ فقرہ اپنی صورت اور معانی میں ایسا محدود واقع ہوا ہے کہ اس کی بابت دو طرح کی رائیں قائم ہوسکتی ہیں ایک تو اس کے معانی یہ ہیں کہ جیسی انسان کی نیت ہوگی ویسی مراد بھی ملیگی - ان معانی میں گویا ہمیں نیت کی نیکی اور بدی کی بحث سے پہلو تہی کرنی پڑیگی مثلاً ایک شخص چاہتا ہے کہ مجھے اس قدر مال ملے تو اُس کو اُس کے موافق مل جائیگا - یا یہ کہ میں فلاں قطعہ اراضی یا باغ کا مالک ہو جاؤں تو وہ ضرور ایسا درجہ حاصل کر لیگا - یہ ایسے معانی ہیں کہ اس فقرے سے تو نکلتے ہیں مگر عمل میں ان کا کوئی ثبوت نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نیت کے مطابق کسی شخص کو مراد نہیں ملتی اور اگر شاذ و نادر مل بھی جائے تو ایسی شاذ و نادر حالتوں کا وجود کلیہ نہیں ہو سکتا - اور اس کی اُلٹ پھیر بھی ثابت ہے کہ ہمیشہ نیت کے خلاف ہی مراد ملتی ہے کیونکہ نیت کے ساتھ ہی اُمید بھی ایک ضمیمہ ہوتی ہے - اور اُمید کے خلاف بہت مرتبہ ہوتا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے "جائے امید خالی" +

اگر انسان کی مرادیں اور خواہشیں نیت کے موافق ہی ہوا کریں تو شاید کوئی مراد اور امید بھی انسان کے شرف قبولیت سے باقی نہ رہے - ہم ہمیشہ اپنی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ سیکڑوں امور ہماری امیدوں اور نیتوں کے خلاف ظہور میں آتے ہیں ہم نیت کچھ کرتے ہیں اور ظہور میں کچھ آتا ہے ہم سوچتے کچھ ہیں اور نکلتا کچھ ہے - خواہ بری نیت ہو خواہ اچھی کبھی اُس کے موافق ہمیں نتیجہ کی تصویر نظر نہیں آتی - اس سے معلوم ہوا کہ عین نیت کے موافق نتائج مرتب نہیں ہوتے - عین نیت کے موافق ہونا گویا وہ ہونا ہے

جو ہم چاہتے ہیں اور یہ بات بیان کی گئی ہے۔ کہ ہمارا چاہنا ہر وقت پورا نہیں ہو سکتا۔ ہم چاہنے کو تو بہت کچھ چاہتے ہیں مگر ہوتا وہی ہے جو اس کی مرضی کے چاہنے سے ہوتا ہے بدو پیدائش سے اخیر عمر تک بہتیری ہی خواہشیں اور آرزوئیں ہیں جو ہم دل میں رات دن لئے پھرتے ہیں لیکن اگر ہم اُن کی تکمیل اور قبولیت کے نمبروں کو دیکھینگے تو شاید اُن میں سے مشکل چند ہی ایسی آرزوئیں نکلینگی جنہیں پورا اور مکمل ہونے کا شرف ملا ہو باقی کی فہرست پر تو نو تھنگ کا مارکہ ہی ملیگا اور یوں ہونا بھی چاہئیے کیونکہ جب معاملہ دوسرے کے ہاتھ میں ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہر ایک امر کا ہماری ہی خواہش پر فیصلہ ہو۔ ہماری صرف ایک خواہش ہے اُس خواہش کا پورا ہونا یا کرنا دوسرے ہاتھوں میں ہے کوئی وجہ نہیں کہ ایسی خواہش یا آرزو ایک دوسری مرضی پر غالب آسکے جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اُن کا ہر ایک کام یا خواہش اُن کی مراد کے موافق حاصل ہو وہ ایک ایسی راہ پر چلتے ہیں جس کو کوئی منزل نصیب نہیں ؛

دوسرے عام مستعمل معنی اس فقرے کے یہ ہیں کہ انسان کی جیسی نیت یا ارادہ ہوتی ہے اُس کے موافق اُس کو نتیجہ ملتا ہے اگر ہماری نیت میں بدی ہے تو یقیناً معاوضہ میں بدی ملیگی اور اگر نیکی ہے تو اُس کا عوض بھی نیک ہوگا یہ تو درست ہے لیکن جب ہم دُنیا کے بازار کی سیر کرتے ہیں تو اس میں بھی بوقلمونی دکھائی دیتی ہے بعض وقت ہماری نیت نیک ہوتی ہے لیکن ہم اُس کا نتیجہ بُرا پاتے ہیں۔ بعض وقت نیت میں اگرچہ بدی ہوتی ہے لیکن مراد درست ملتی ہے۔ چور کی نیت تو ایک دوسرے گھر میں جانے سے بد ہوتی ہے اور چور اپنے گھر سے بدی ہی لے کر چوری کو روانہ ہوتا ہے لیکن جب وہ نقب لگا تا یا اُس گھر میں داخل ہوتا ہے تو اُسے ایک قیمتی مال مل جاتا ہے اگر محض نیت کی بدی پر نتیجہ بد نکل سکتا تو اس صورت میں لازم تھا کہ چور کو مال نہ ملتا۔ چغل خور بدنیتی سے چُغلی کھاتے ہیں لیکن بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ یہی بدنیتی اُنہیں سرسبز کرتی ہے ؛

جھوٹے مقدمات لڑانے والے ہمیشہ جھوٹ بولتے اور بدنیتی سے کام لیتے ہیں۔ مگر عدالتوں کے کمروں سے وہ اکثر فتوحات اور ڈگریاں ہی لے کر نکلتے ہیں رشوت خور بدنیتی سے دوسروں کا مال اُڑاتے ہیں لیکن اُن کے ہاتھ زر اور دولت آتی ہے اور وہ پنشن لینے کے موقع تک جرم رشوت کے قانونی زد سے محفوظ رہتے ہیں ایک خونخوار اور ظالم بادشاہ محض بدنیتی اور ذاتی مفاد کی غرض سے دوسروں کے ملک پر حملہ کرتا اور اخیر پر عزت مندی کے ساتھ فتح حاصل کرتا ہے اگر محض نیت ہی مرادوں اور نتائج کا آخری مقیاس تھا تو ضرور تھا کہ ان بدنیتوں کا اچھا نتیجہ نہ ہوتا خلاف یا بالمقابل اس کے نیک نیتی سے بعض دفعہ انسان کو سخت ٹھوکروں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے ایک شخص دُنیا میں نیک نیتی سے رہتا ہے اور بسر کرتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ مصیبتوں اور آفات میں ہی مبتلا رہتا ہے۔ ایک شخص سخاوت کرتا ہے ضرور تھا کہ وہ اس کا نیک بدلا پائے مگر وہ روز بروز تنگ ہوتا جاتا ہے ایک شخص نیک نیتی سے ایک جرم کی مخبری کرتا ہے اور اسی میں وہ گرفتار ہو کر سزا پاتا ہے ایک شخص حالت ملازمت میں ساری عمر رشوت کا نام نہیں لیتا اور ایمانداری سے گذارہ کرتا ہے مگر وہ ہمیشہ اپنے نصیب کو روتا رہتا ہے ایک شخص نیک نیتی سے تجارت کرتا ہے اور کسی قسم کا ناجائز فائدہ اُس سے نہیں اُٹھاتا مگر اُس غریب کی سچی دُکان تھوڑے دن ہی قائم رہ کر تاجر کو ہمیشہ کے واسطے سلام کرتی ہے۔ کیا ان صورتوں سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ دُنیا میں نیک نیتی یا بدنیتی کے موافق انسان کو اجر ملتا ہے یا ایک بدخیالی اور نیک خیالی انسان کو اپنے تقاضا کے بموجب نتیجہ دکھاتی ہے ہرگز نہیں۔ ان دونو حالتوں سے ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ نتیجتہ الامور کے واسطے دُنیا کے بازار میں بظاہر کوئی پیمانہ صحیح نہیں مل سکتا اور نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے اس فعل کا یہ اور اُس کا نتیجہ یہ ہوگا +

دونو صورتیں آپس میں مختلف ہیں نہ تو بدی ہی کامل ہے اور نہ نیکی میں کامل اثر ہے جس بات کو لو اُسی میں صدہا نظیریں مل سکتی ہیں ایک بدنیت بھی کہہ سکتا ہے کہ میں

بدیوں سے عمدہ نتیجے حاصل کرتا رہا ہوں اور ایک نیک نیت بھی اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں
کو معرض بیان میں لا سکتا ہے ہیں نہیں جانتا کہ کوئی شخص بھی یہ کہنے کو تیار ہو کہ میں ہمیشہ
دونو سے یکساں یا حسب طبیعت نتیجے اُٹھاتا رہا ہوں جب دُنیا کے بازار میں نیکی اور بدی کا
یہ نرخ اور یہ خرید و فروخت ہے تو ہم حیران ہیں کہ اب اس عجیب فقرہ کہ "مراد بر نیت یا نیت بر مراد"
کے کیا معنے ہونگے نہ تو اس پر پہلے معانی چسپاں ہیں اور نہ مابعد کے ہم نہیں جانتے کہ یہ فقرہ
کیوں اطلاق کیا گیا ہے اور در اصل اس کی حقیقت کیا ہے شاید یہ مراد ہو کہ انسان کو مرنے
کے بعد اپنی تمام نیتوں اور خیالات کا مقیاس دیکھنا پڑیگا اگر یہی اندازہ لگایا گیا تو پھر ایک
بہت دور فاصلہ کی اُمید اور گہرے معانی کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی بظاہر اس سے
اسی دُنیا کا میدان مفہوم ہوتا ہے اگرچہ روحانی معاملات کا بکھیڑا بھی انسانی ہستی کے ساتھ
لگا ہوا ہے مگر اس فقرے کو زیادہ تر اسی دُنیا اور ظاہری حالات سے چسپاں کہا جا سکتا ہے
اِس فقرۂ مراد بر نیت کو الفاظ "جیسی کرنی ویسی بھرنی" میں بھی تاویل یا تبدیل کیا گیا ہے
یعنی انسان جیسا کرتا ہے ویسا پاتا ہے ہم اگر ان معانی کی راہ سے بھی تحقیقات کریں تو ہمیں
پتہ لگ جائیگا کہ دُنیا میں اس کا اُلٹ ہو رہا ہے بہت لوگ اچھی کرنی کرتے ہیں مگر معاوضہ
میں اُن کو بدی ملتی ہے اور بہت لوگ بہر صورت بدی کے بدل میں نیکی پاتے ہیں ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ آخری دنوں یا انجام کو ان فقروں میں مُراد لیا گیا ہے یعنی اگرچہ چند روز تک
ایسے لوگوں کا حال اچھا ہے مگر اخیر پر نیت یا کرنی کے موافق بھی اثر ظاہر ہو گا اس کو کسی قدر تسلیم
تو کر لیا جائیگا لیکن اگر ہم بہت انجاموں کو دیکھینگے تو پھر ہم کو شکوک کی تصویریں دیکھنی پڑینگی
کیا سب لوگوں کے دُنیا میں انجام یکساں ہوتے ہیں اس کا جواب اگر تحقیقی طور سے دیا جائیگا
تو کہنا پڑیگا کہ کُل انجام یکساں نہیں ہوتے۔ ہر ایک کا انجام ایک جُدا انجام ہے کیا ہمیشہ
نیک ہی خوش انجام ہوتے ہیں کیا بدوں کا انجام نیک نہیں ہوتا۔ دونو فہرستیں ہاتھ میں
لے کر غور کر کے کہو کیا یہ نہیں درست ہیں تم کبھی غور کرنے کے بعد ان سبھوں کو قائم نہیں

رکھو گے تمہیں خود بخود کہنا پڑیگا کہ دراصل معاملہ یوں نہیں ہے غور کرنے پر تمہیں کہنا پڑیگا کہ نیکیوں کا انجام بھی ہمیشہ نیک نہیں ہوتا اور نہ بدی ہی ہمیشہ بد انجام دیکھے جاتے ہیں انجام کیواسطے کوئی پیمانہ مقرر نہیں بلکہ نیکی بدی کو بھی جن سکتی ہے اور بدی کے پیٹ سے نیک بچہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ کیا تم نے بدوں کو نہیں دیکھا کہ وہ باوجود بد ہونے کے انجام تک سرخرو اور باعزت رہتے ہیں اور بہت سے نیک آدمی ہیں جو باوجود دن رات کی نیکیوں کے روسیاہ انجام دیکھتے ہیں۔ ایک چور ہمیشہ چوری کرتا ہے اور چوری سے ہی اُس نے دنیا کی ظاہری عزت اور نام پیدا کیا ہے کیا اُس کا انجام اچھا نہیں ہُوا۔ کیا سب چور قید خانوں میں ہی جان دیتے ہیں یا سب کے سب قیدی ہو جاتے ہیں کیا چوروں کو درباروں میں عزت نہیں ملتی یا وہ بار نہیں پاتے یا سب راشی ہی ترقی اور خان بہادری یا راے بہادری اور سی ایس۔ آئی کے معزز اور مفتخر لقبوں سے خالی رہتے ہیں۔ نہیں نہیں۔ ان اعزاز اور اکرام کے واسطے کوئی پیمانہ نہیں بہت سے راشی بھی خان بہادر اور راے بہادر ہیں اور وہ برابر سرکار سے ترقیات اور اعزاز پاتے ہیں کیا رشوت نے ان لوگوں کے انجام میں کوئی خرابی پیدا کی ہے ہرگز نہیں وہ اُن متدینوں سے بدرجہا اچھے ہیں جنہیں حکام سے سوائے جھڑکیوں کے ساری عمر میں اور کچھ نصیب نہیں ہُوا۔ میں تمہیں بیسیوں ایسے تجار دکھا سکتا ہوں جو جھوٹ اور مکر و فریب سے لاکھوں روپیہ اپنی نسل کے واسطے اس دُنیا میں چھوڑ گئے ہیں اور اُن کی نسلیں چین اور آرام سے زندگی بسر کرتی ہیں عقبا اس کے صدہا ایسے نیک ہیں جو نیکی کی صورتوں اور عملوں سے برباد اور خراب ہو کر دُنیا کے گھر سے رخصت ہو گئے اگر یہ مراد ہے کہ آخرت کا انجام اچھا ہو گا تو چونکہ ہمیں اُس کے دلائل اور نظائر سے کوئی خبر نہیں اس واسطے اُن صورتوں کو ہم اس بحث میں نہیں لاسکتے ہم کو کیا معلوم ہے کہ وہاں کے اس انجام سے کیا مراد ہے جو اس دُنیا میں ہم کو حاصل ہوتا ہے نہ کہ وہ انجام جو جان دینے کے بعد ظاہر ہو گا اِس دنیاوی انجام سے ثابت ہو گیا کہ اس کا

[illegible]

[illegible] اِس فقرہ یا کہاوت سے قائلوں کی اصل مراد کیا ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اِس کی کوئی مراد بھی نہ ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس فقرے سے مراد قائلین کی ظاہری مرادوں اور نتائج سے نہیں ہے بلکہ اصل مدّعا یہ ہے کہ انسان کو ہمیشہ اِس دُنیا میں نیّت کی مقدار اور حیثیت پر ہی طمانیت قلب کا مادہ اور مقدار حاصل ہوگا اور اگر نیّت میں بدی اور بُرائی نہیں ہے تو دل کی حالتیں اور جذبات بھی اُس صورت یا حالت پر قائم ہونگے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ اگرچہ بُری نیّت سے ہزاروں کا ہی منافع اور صدہا عزّتیں حاصل ہو جاتی ہیں مگر پھر بھی انسان کا کانشنس اُس طمانیت کی حالت میں نہیں ہوتا جو ایک تھوڑی سی راستی کی صورت میں اُس کو مل سکتی ہے ایک ادنےٰ راستی انسان کو صدہا فتوحات سے خوش بنا سکتی ہے اور ایک بڑی بدی اور بڑی فتح انسان کو ہمیشہ کے واسطے غمگین اور اندوہگین رکھتی ہے اگرچہ انسان کے پاس صدہا لین روپیہ اور دولت کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ ناراستی اور بدی سے حاصل کی گئی ہے تو کبھی دولتمند کو خوش نہیں رکھ سکتی اگرچہ لوگوں کی نگاہوں میں وہ خوش اور شاداں نظر آتا ہے مگر جب وہ تن تنہا ہو کر اُن بدعملیوں پر غور کرتا ہے جس کے ذریعہ اور سلسلہ سے اُس نے ان دولتوں کے ڈھیروں کو جمع کیا ہے تو اُس کا دل ہی جانتا ہے؛

ایک چور جب چوری کر کے دوسروں کے گھر سے نکلتا ہے تو گو مال اور فتوح اُس کی بغل میں ہیں مگر اُس کا دل صاف طور پر منادی کرتا ہے کہ یہ فعل اور اُس فعل کا اثر کیسا ہے ایک رشوت خوار رشوت کے روپیہ سے ضرور ہر روز اپنی جیبوں کو بھرا کرتا ہے مگر شام کو اُس کے دل سے پوچھو کہ وہ بستر پر لیٹے لیٹے کیا سوچا کرتا ہے۔ ایک جھوٹا اور مکّار سوداگر جب شام کو اپنی فریبی بکری کو لکھتا ہے تو خوش تو ضرور ہوتا ہے لیکن اُس کے ساتھ اُس کے غمگین دل پر جو مصیبت کی منادی ہوتی اور زد پڑتی ہے کیا وہ اُسے سنتا نہیں ہے

ایک جھوٹے مقدمے لڑانے والا جب دوست کی امداد سے عدالت کے کمروں سے فتح اور ڈگری لے کر نکلتا ہے گو اُسکو چاروں طرف سے مبارکبادیاں دی جاتی اور ملتی ہیں لیکن اُس کا دل جو اُس سے کہتا ہے وہ اُسے خوب ہی جانتا اور خوب ہی سُنتا ہے۔ ایک قاتل بیسیوں ناحق خون بھی کرکے بچ جاتا ہے لیکن اُس کے دل سے پوچھو کہ وہ ان عملوں کو کیا خیال کرتا اور کیا سمجھتا ہے افسوس ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے کے دل سے سوا پارۂ زبان کے آگاہی نہیں ملتی اگر دل کی آوازیں اور خفیہ صدائیں سُنی جاتیں تو پتہ لگ جاتا کہ ایک دل انسان کو دن کے مختلف حصّوں میں کیا کچھ کہتا ہے اور کیا کچھ افسوسناک مُنادی کرتا ہے ✣

پنجابی زبان میں ایک مؤثر فقرہ سنا گیا ہے یعنی "دل دریاؤں ڈونگا تے کون دلاں دیاں جانے۔ پھردے پچھتّے کچھ بہتیرے تے نالے ناگ اپانے" ✣

مطلب اس کا یہ ہے کہ انسان کا دل دریا سے بھی عمیق اور گہرا ہے اس کے اندرونی حالات کو کون جان سکتا ہے اس میں ہر ایک قسم کے مُفید اور مُضر بُرے بھلے بد اور نیک خیالات اور ارادے پائے جاتے ہیں دوسروں کو کیا خبر اور کیا اطلاع ہے کہ ہر ایک دِل انسان کو دن اور رات بھر میں کیا کیا منادی کرتا ہے اگر دلوں کے حالات سے ایک دوسرے کو خبر ہو تو سب حال معلوم ہو سکتا ہے کہ اندرونی کلوں کے پرندے اِس طور پر چلتے ہیں ✣

اگرچہ سیکڑوں دل ظاہر میں خوش اور شاداں نظر آتے ہیں مگر باطن میں اُنہیں وہ غم واندوہ حاصل ہیں کہ اگر اُن کا اظہار کیا جائے تو لوگوں کو معلوم ہو کہ ان کی اندرونی حالت یہ تھی پس ہر ایک انجام اور مراد دل کی حالت پر موقوف ہے اگر دل کو طمانیت اور چین ہے تو نتیجہ اچھّا اور مبارک ہے اور اگر دل بےچین اور نامراد اور قلق و اضطراب ہے تو سمجھ لو کہ انجام یا خوشی ملمع نما ہے باہر سے گو خوشی اور نیک انجام نظر آتا ہے مگر باطن میں اثر نہیں کیا ایسے انجام کو انجام یا سچی خوشی کہا جا سکتا ہے۔ نہیں نہیں یہ غلطی ہے انجام

اور خوشی وہی ہے جو دل سے تعلق رکھتی ہے اگر دل درست نہیں ہے تو ظاہر کی بھڑک کیا کام کر سکتی ہے۔ مراد بر نیت سے منشاء یہی ہے کہ دل کو طمانیت اور تشفی حاصل ہو۔ اگر یہ نہیں ہے تو پھر نیت کے مراد کیا ہو گی۔ دو دن کی جوانی کس وجود میں اور دو دن کا جوبن کسی مُنہ پر نہیں آتا۔ ایسے ظاہری انجام تو نیک اور بد دل کو یکساں حاصل ہوتے ہیں اُن میں تمیز ہی کیا ہے لیکن بات تو تب ہے کہ ان انجاموں میں دل کو طمانیت بھی ہو اگر یہ نہیں تو پھر کیا حاصل +

ہر ایک انسان خود اپنے دل سے ہی اصلیت اور غیر اصلیت کا فیصلہ کر سکتا ہے اور اس کو دل کی طرف سے یہ راہ مل سکتی ہے کہ آیا اس کی نیت کے موافق نتیجہ ملتا ہے یا کیا +

ایک حکیم خدا پرست سے پوچھا گیا تھا کہ آپ کو اس دُنیا میں دولت سے زیادہ تر کون سی شے پسند ہے حکیم نے جواب دیا کہ میں بہ نسبت دولت کے ایک لازوال شے پسند کرتا ہوں جس کے آگے دولت کو خاک سے نسبت دی جا سکتی ہے +

جس کو میں پسند کرتا ہوں وہ "دل کی طمانیت اور تمنا ہے" کیا تمام دُنیا اُس کو پسند نہیں کرتی یا اس کے حاصل کرنے کے واسطے کوشش نہیں کرتی۔ افسوس ہم کو حاصل نہیں ہے +

زندگی

اگر کسی سے سوال کیا جاوے کہ زندگی کیا شے ہے تو وہ بہت جلد اور نہایت اطمینان سے جواب دینے کو تیار ہو گا کہ زندگی سے وہ محدود وقت مراد ہے جس میں ایک جاندار وجود کے لئے سے اس دُنیا میں موجود اور قائم رہتا ہے جب کوئی جاندار وجود کے اعتبار سے اِس دُنیا یا ہستی میں نہ پایا جائیگا اُس وقت کہا جائیگا کہ وہ زندہ نہیں ہے زندگی کے یہ وہ معنی اور یہ وہ مفہوم ہے جو عام طور پر انسانی جماعتوں میں مانا یا تسلیم کیا گیا ہے جہاں کسی کا وجود اِس ہستی یا اُس دُنیا میں قائم یا موجود نہیں رہتا فوراً کہا جاتا ہے کہ "فلاں نماند"

اگرچہ کیسی ہی کوشش اور سعی کی جاے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی وجود یا کسی وجود کی ہستی ظاہر طور پر اس دنیا میں اُس محدود زمانہ یا محصور وقت سے زیادہ دیر تک قیام کر سکے ۔

تمام مخلوقات اور کائنات سے انسان اشرف المخلوقات نوع ہے ظاہری زندگی کے اعتبار سے مرنے کے بعد اس کو بھی دوسری افراد مخلوق پر سوا سفید قبروں اور مقبروں کے اور کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوتا مرنے کے بعد جو حال گزرتا ہے اُس کو وہی اعلےٰ طاقت جانتی ہے جس نے اِس سلسلہ کو وجود میں لا رکھا ہے لیکن ظاہر بین تو کوئی امتیاز اور خصوصیت سوا ان قبروں اور گورستان کے نہیں رہتی اور افراد مخلوق میں قبریں اور گورستان نہیں ہوتی اور انسان ایک دوسرے کی قبر بنا دیتے ہیں وہ قبریں کیا ہیں مٹی کے وہ ڈھیر اور وہ تودے جو دوسری ہموار مٹی سے کچھ اونچے اور سفید ہیں اصل میں وہ بھی ایک مٹی ہے جو اپنی تہ سے ادھر اُدھر اکٹھی کر دیجاتی ہے اگر ہم قبروں اور گورستان میں جا کر صحیح صحیح ناموں سے مردوں کو پکاریں اور آوازیں دیں تو یہ ممکن نہیں کہ وہاں سے کوئی آواز آئے یہ تو ممکن ہے کہ ہماری آوازیں اور صدائیں خاکِ قبر سے مس کر کے پھر ہماری طرف واپس آئیں مگر یہ ممکن نہیں کہ اُن سفید سفید یا گول مول تودوں میں جو دفنائے یا جلائے گئے ہیں ۔ کوئی آواز دیں ۔ اب وہ تودے ہی تودے ہیں ہمیں اُن لوگوں کے نام تو ضرور یاد ہیں جو اُن میں رہتے ہیں مگر وہ خصوصیت جس کو حیات اور زندگی کہتے ہیں اُن میں نہیں ہے ایک جانور بھی مرکر زمین کے اجزا میں کھپ جاتا ہے اور ایک انسان بھی عزت کے ساتھ دوسروں کے ہاتھ سے اسی زمین میں رکھا جاتا ہے ۔

زمین کے اندر جانے یا اُس میں ملنے کے بعد اُس شرف کی کوئی دلیل باقی نہیں رہتی جسے ہر ایک انسان اپنی ذات کے لئے ایک انوکھی دستاویز سمجھتا ہے اِس حالت سے تو پتہ لگتا ہے کہ انسان کی زندگی بھی صرف چند روز کے واسطے ہی دیگر افراد کی طرح شرف اور نمود رکھتی ہے اصل میں قیام اور ثبات اُس کو بھی نہیں جیسے دیگر افراد

مخلوق جاں دے کر ہمیشہ کے واسطے اس دُنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں ایسا ہی انسانوں کا
حال ہے۔ کیا درحقیقت انسانی خصلت اور شرف مُلمّع نما ہی ہے اور کیا انسان کی زندگی
زمین میں گڑنے یا ملنے کے بعد بالکل خواب و خیال ہو جاتی ہے۔ اگر ہم اس سوال کا جواب
صرف ظاہری حالت کو مدنظر رکھ کر دینگے تو وہی جواب آئیگا جو پہلے دیا گیا ہے لیکن اگر
غور کرینگے تو کہنا پڑیگا کہ نہیں انسان زمین میں ملنے خواہ جانے کے بعد بھی معنوی طور
پر ثابت اور زندہ رہتا ہے انسان کا اس دُنیا میں رہنا اور مرنا دو معنوں سے ہے۔
ایک صورت تو مگر افراط سے ملتی ہے اور ایک اُن سے ممتاز اور جُدا ہے انسان پہلی صورت کے
لحاظ سے ہمیشہ کے لئے نابُود ہوتا اور مر جاتا ہے اور زمین میں جانے کے بعد اس کا یا اُسکی
ہستی کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا لیکن دوسری صورت یا دوسری حالت میں وہ قائم اور
زندہ رہتا ہے اگرچہ وہ مر جاتا ہے لیکن اُس کی انسانیت زندہ رہتی ہے پھر بڑی غلطی
ہے کہ ہم صرف وجود کو انسان سے تعبیر کرتے ہیں یہ ڈھانچ ہے انسان نہیں ہے قالب
اُس شے یا اُس وجود یا اُس ذات سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا جو اُس میں ہے کیا ہم ایک
مٹی کے گھڑے یا کوزے کو پانی کہہ سکتے ہیں یا پانی کا وجود یا ہستی مٹی کا کوزہ ہو سکتا ہے
اگرچہ پانی کوزہ یا ظرف میں ہوتا ہے اور وہ ایک حد میں محدود ہو کر دکھائی دیتا ہے مگر
کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ظرف یا کوزہ پانی ہے ہوا تمام جہان اور تمام افراد جہان میں متداثر
اور حائل ہے مگر پھر بھی اُس کے وجود کو جُدا اور الگ سمجھا جاتا ہے گو اُس کی سرائت اور
نفوذ تمام جہان اور اُس کے اجزا میں پایا جاتا ہے لیکن کسی صورت میں یا کسی حالت
میں اُس کو وہ وجود نہیں کہا جا سکتا جو انسانیت کا ہے ہم ہر ایک وجود انسان کو مجازاً
اور اعتباراً انسان کہتے ہیں ہمارے اس اعتبار اور مجاز کے معنے گویا یہ ہیں کہ وہ وجود
انسان ہیں نہ خود انسان۔ وجود انسان اور ہے اور انسان اور شے وجود انسان کا تو بلا شک
زمین میں ملنے کے بعد قائم اور ثابت نہیں رہتا لیکن جیسے با جبر لکھیو کہ انسان یا انسانیت

کہا جاتا ہے اس کو کبھی فنا اور زوال نہیں ۔ انسان محض وجود اور عارضی امتیازی باتوں کے اعتبار سے مرتا ہے اصلیت میں اُسے فنا نہیں جب محض اعتباری طور پر وہ ایک وجود یا ایک نام یا ایک حالت اور مقام کو چھوڑتا ہے تو حقیقتاً اُسے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مر گیا ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے اپنی پہلی حالت کو چھوڑ دیا یا اس سے اُس موجودہ حالت کو چھوڑ اگر کسی اور حالت کو قبول کر لیا گیا ۔ یہ بحث کہ وہ دوسری حالت کیسی ہے اور کیونکر تو ہم اس تحریر میں اُس کی بابت بحث کرنا پسند نہیں کرتے کیونکہ اُس کا تعلق دوسری راہوں سے ہے جن کو دینی یا مذہبی راہیں کہتے ہیں اور ہم اس مضمون کے میدان میں اُن راہوں سے طرح دیکر گزرنا چاہتے ہیں +

زندگی

نمبر ۲

انسان کو جو زندگی مرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے اس سے تو گویا ہم مذہبی آڑ سمجھ کر چھوٹے اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ باوجود وجود کے چھوڑنے کے انسان اس دنیا میں کیونکر زندہ رہتا ہے یا یہ کہ اس کی ہستی یا انسانیت کو کیونکر قیام اور ثبات رہے ہم نے اس سے پہلے کہا ہے کہ انسانی وجود انسانیت کو نہیں چھوڑتا ہے ایسا ہی اب بھی کہتے ہیں کہ انسان کے وجود چھوڑنے کے بعد انسانیت باقی رہتی ہے +

اب ہم سے ناظرین سوال کرینگے کہ انسانیت سے مراد کیا ہے اور وہ اس دنیا میں کیونکر باقی رہتی ہے اور اس کا ثبوت کیا ہے +

انسان کو ہم اس واسطے یا اس دلیل سے انسان نہیں کہتے ہیں کہ وہ ناطق یا صاحب ارادہ ہے یا اس کے ہاتھ اور پاؤں دو دو ہیں یہ باتیں تو کم و بیش دوسری مخلوق میں بھی پائی جاتی ہیں ۔ گو ان کو ان میں کمال حاصل نہیں مگر ان کا وجود تو ضرور ہے

سب سے فائق قوت ناطقہ ہے۔ لیکن میاں مٹھو نے ذرا اس کو بھی کمزور کر دکھایا ہے میاں مٹھو اور گنگارام نے انسانی جماعتوں پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ میں بھی قوت ناطقہ سے حصہ لے سکتا ہوں جب قوت ناطقہ کا لطف میاں مٹھو کے بولوں اور چٹکلوں نے کرکرا کر دیا تو اب ہمیں محض انہیں خصلتوں اور خصوصیات پر شرف و فضیلت کی ٹوپیاں اچھالتے پھرنا موزوں نہیں معلوم دیتا۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان نری ان خصلتوں اور خصائص سے انسان نہیں کہلاتا بلکہ اُسے اُن صفات اور خصائص کے ساتھ ادراک کی خصلت اور شرف بھی حاصل ہے اگر وہ مدرک اور صاحب تعقل نہ ہوتا تو شاید اس کو دو ٹانگوں کا حیوان لا یعقل کہا جاتا اور وہ دُنیا کے میدان میں اور حیوانوں کے ساتھ اُچھلتا کودتا بہت ہی موزوں دکھائی دیتا۔ انسانیت کیا ہے تعقل وادراک فہم و اخلاق۔ جس انسان میں یہ صفات نہیں ہیں اس میں انسانیت اور آدمیت نہیں ہاں وہ جاندار ضرور ہے۔ صرف جاندار کے ہونے سے انسانیت کا شرف نہیں حاصل ہو سکتا اگرچہ ہم اس امر کو قبول کرینگے کہ قدرت یا نیچر نے ہر ایک انسان کو شرف انسانیت یعنی تعقل و ادراک بخشا ہے لیکن یہ بھی ماننا پڑیگا کہ بعض حضرات انسان نے اُن اوصاف جمیلہ اور اخلاق جلیلہ کو یوں رائیگاں ہی دے ڈالا ہے اس حالت میں ہمیں کہنا پڑیگا کہ انسانیت کا بیرحمی کے ساتھ خون کیا گیا۔

جب انسانیت سے مراد یا اس کا منشاء ادراک و تعقل و شعور کامل اور اخلاق فاضل ہیں تو ہم کہینگے کہ انہیں اخلاق کامل اور تعقلات فاضلہ کا پایا جانا ہر ایک انسان کے واسطے ایک حیات اور زندگی ہے۔ جس انسانی وجود کے فنا کے بعد یہ اخلاق کاملہ اور تعلقات وادراکات فاضلہ باقی اور محسوس رہتے ہیں وہ انسان گویا اس دنیا کے قیام اور ثبات تک موجود اور زندہ ہے اور اس کو ایک اصلی حیات اور قیمتی ہستی حاصل ہے۔ قیامت یا دوسری دنیا میں اگرچہ کوئی ابدی زندگی ملے یا مل سکتی ہے لیکن انسان کو اوصاف جمیلہ کے اعتبار سے بھی اس دُنیا میں مرنے کے بعد ہستی پیدا نہیں ہوتی

بلکہ اُسی فانی وجود میں اس کی کرنیں اور شعاعیں درخشاں اور تاباں ہوتی ہیں انسان اُسی وجود میں ان فضیلتوں اور اکرام کو پالتا ہے جو ابدی زندگی کا لازمہ اور ثمرہ ہیں +

معنوی یا ابدی زندگی انسان کو اِس دنیا میں اعمال اور خیالات یا اخلاق سے حاصل ہوتی ہے اور وجود چھوڑنے کے بعد قائم رہتی ہے ... وہ اعمال جو حق یا الیشر کی دست اندازی کے قابل اور لائق ہیں اور جن کا حساب کتاب انسان کی روح یا آتما سے لیا جاتا ہے وہی خدا لیگا۔ وہ اس زندگی سے وابستہ ہیں جو ہمیں ایک خاص وقت پر حاصل ہوگی۔ لیکن وہ اعمال اور وہ اخلاق جو اس دنیا یا اس ظاہری ہستی یا سلسلوں کے چلانے کے واسطے مخصوص ہیں اور جو گویا اس گھر میں رہنے کے لائق ہیں اسی دُنیا میں ثمرہ لاتے ہیں اور اسی مقام پر ان کو حیات ثانوی ملتی ہے +

گویا حیات اخروی کے دو درجے ہیں ایک اُس میدان میں رہنا ہے جسے ہر ایک شخص اپنے کانشنس یا مذہب کے اعتبار سے قیامت یا اور ناموں سے تعبیر کرتا ہے اور ایک درجہ اُسی ہستی یا اُسی میدان میں دیا جاتا ہے جب انسان اس عارضی وجود کو چھوڑتا ہے تو اُس کو اس دنیا میں بھی ایک اور زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ مرنے کے بعد ہی نہیں بلکہ اِس زندگی ہی میں وہ زندگی محسوس ہونے لگتی ہے گو انسان اس کو محسوس نہ کرے۔ لیکن دوسرے انسان اور ناظرین محسوس کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو اِسی دُنیا میں دوسری زندگی حاصل ہے اِس دُنیا یا اس سلسلہ کا انتظام اسی صورت میں خوبی سے چل سکتا ہے۔ جب ہر ایک انسان بلا کسی تمیز اور فرق کے اِس دُنیا میں اس دوسری زندگی کے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس دُنیا میں دوسری زندگی کے کیا معنے ہیں؟

اِس دنیا کی دوسری زندگی سے وہ زندگی مراد ہے جو اخلاق اور تعقل و ادراک اور نیک اعمال سے تعلق رکھتی ہے +

وہ زندگی انسان کو یہ سکھلاتی ہے کہ اسے اس چار روزہ گھر میں رہ کر وہ اعمال اور وہ اخلاق عمل میں لانے چاہئیں جس سے اُس کے دیگر ابنائے جنس کو فائدہ پہنچے اور جس عمل کو ہمدردی اور باہمی مروت و مہربانی کہا جاتا ہے اس کا نمونہ دکھایا جائے یہی عمل اور یہی طریقہ ہے جس وجہ سے اِس دُنیا کی دوسری زندگی کہا جاتا ہے اور جس کے وجود اور اثر سے قومیں نشو و نما پاتیں اور ملک سرسبز اور شاداب ہوتے ہیں لوگ اس زندگی کے واسطے جو اس دنیا کے بعد یقیناً آنے والی ہے جیسی آرزو اور خواہش رکھتے ہیں اُنہیں ویسی ہی اس ثانی زندگی کے واسطے بھی کمال آرزو رکھنی چاہئیے کیونکہ در اصل اسی زندگی سے اُس زندگی کا آغاز اور بنیاد بنتی ہے کوئی قوم اس وقت تک ترقی اور عروج نہیں پاسکتی جب تک اس میں ایسی زندگی کا نشان نہ پایا جائے جس کو ہم زندگی ثانی کہہ سکیں اور کسی بشر کو یہ زندگی حاصل نہیں ہوسکتی جب تک وہ اوروں کے لئے سچے طور پر اپنے اعمال یا اخلاق کو وقف نہ کردے۔ ہندوستان کے ملک اور قوموں میں شاید پہلے اور گذشتہ ایام میں اسی زندگی کے حاصل کرنے کا شوق ہو۔ اِس زمانہ میں اگر کوئی یادگار مرنے کے بعد باقی رہتی ہے تو باہمی فساد اور جنگ و جدال ہی رہتا ہے جس عمل کو قومی اخلاق اور جس زندگی کو پھلدار زندگی کہا جاتا ہے وہ شاید کسی کسی کو ہی حاصل ہے ورنہ تمام زندگیاں ایسی حالت میں گزرتی ہیں جن کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے جن لوگوں کو اِس دُنیا میں زندگی ثانی حاصل کرنے کا موقع یا وسیلہ حاصل ہے وہ اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے عام زندگیاں تو ہمیشہ یوں ہی اور کس مپرسی کی حالت میں ہی گزرا کرتی ہیں یہیں رونا تو اُن لوگوں کی معزز زندگیوں کا ہے جو اِس گھر میں اللہ میاں کے دینے سے بہت کچھ کرسکتے ہیں اگر ایسوں کی زندگی بھی عامہ زندگیوں کی طرح گزرے تو قوم اور ملک والوں کو اُن سے کیا فائدہ مل سکتا ہے بہت سے لوگ قوم میں سے گزر جاتے ہیں اور انسانی جماعتوں میں زندگی ثانی کے اعتبار سے ان کا کوئی نام بھی نہیں لیتا اگرچہ

یہاں موجود ہونے کے دلوں میں اُن کی بڑی قدر اور منزلت تھی مگر ان کا وجود خاکی کو چھوڑنا کی تمام یادداشت کو گوشۂ دل اور قلوب سے فراموش کرا دیتا ہے پھر انہیں کوئی جانتا بھی نہیں کہ وہ کہاں اور کس کوچہ میں رہتے تھے گویا ایک وجود چھوڑنے کے بعد ان کا اس دنیا میں ہونا نہ ہونا ہمیشہ کے لئے برابر ہو جاتا ہے دُنیا میں رہنے کو تو ہم کے سب کے سب رہتے ہیں مگر درحقیقت ہمیں اِس طور پر رہنا چاہیئے کہ مرنے کے بعد کوئی یاد تو کرے اگر ہمیشہ نہیں تو کبھی کبھی تو ہماری یاد ہوا کرے +

ہماری زندگیاں تو ضرور گھاس پھوس کی طرح گزرتی ہیں افسوس تو اُن متبرک زندگیوں پر ہے جو کچھ ہیں اور پھر عام خیالات سے کس مپرسی کی حالت میں رہتے ہیں ایسی زندگیوں پر لازم ہی نہیں بلکہ فرض ہے کہ اس عارضی وجود کے چھوڑنے کے پہلے اپنے ابنائے جنس کی خاطر کوئی کمائی کرلیں اور ایسی چال چلیں کہ وہ ہمیشہ کے واسطے دنیا کے بازاروں میں چمکتے دمکتے نظر آئیں اُن کی متبرک اور بیش بہا یادگاریں جلوہ نما ہونگی گو اُن کی مجسّم زندگی اور عارضی وجود اس دنیا میں چندروزہ آیا تھا مگر زندگی ثانی ہمیشہ اور ابد تک قائم رہیگی جب ان بازاروں کی سیر کو پچھلی نسلیں آئینگی تو وہ متبرک اور پاک تصویر یا فوٹو ان نگاہوں میں پھر جائیگا - کیا ایک وجود عارضی سے یہ کام ہو سکتا ہے کہ وہ ابد تک اِس دنیا کے بازاروں میں ایک سچّے موتی کی طرح درخشاں او رتاباں ہو کر رہے نہیں نہیں یہ اُسی زندگی ثانی کا کام یا کرشمہ ہے وہی ہمیشہ کے لئے اِس دُنیا کی منڈی میں زندہ رہ سکتی ہے +

طمانیت قلب

ما سلطنتِ فقر بعالم نفروشیم　　　یک جام شراب بدو صد جم نفروشیم

دولتمندی اور فقر کی شاخیں گو جُدا جُدا جاتی اور نشو و نما پاتی ہیں لیکن اگر نظر امعان

سے دیکھا جائے تو ثابت ہوگا کہ ایک دولتمند اور ایک فقیر کی غایت اور غرض انتہائی ایک ہی ہے۔ ایک دولتمند بھی اسی غرض اور اسی منشا سے اپنے حالات اور اغراض میں ثروت اور برکت چاہتا ہے کہ اطمینان قلب اور فارغ البالی رہے اور ایک فقیر بھی اسی غرض سے دینا اور علائق دُنیا سے قطع تعلق اور نفرت کرتا ہے کہ اُسے دل کی تسلی اور طمانیت حاصل ہو۔ منشا اور غرض تو ایک ہی ہے صرف حصول اور استفادہ کے دو جُدا جُدا اصول یا طریقے ہیں دولتمند دولت اور سخا و فیض کے ذریعے سے عاقبت کو صاف اور معمور کرنا چاہتا ہے اور ایک فقیر فقر سے اسی منزل تک آشنائی اور رسائی چاہتا ہے +

غرض مشترکہ غرض ان دونو کی قریبًا قریبًا ایک ہی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ان دونو راہوں سے ہمیشہ منازل مقصود تک انسان رسائی اور آشنائی کر سکتا اور اُن تک بآسانی پہنچ سکتا ہے یا اس غرض مشترکہ کے حصول کے واسطے کوئی اور تیسرا گُر یا اصول ہے اُس گُر یا اصول کے اظہار سے اول ہم ناظرین کو جتانا چاہتے ہیں کہ طمانیت قلب سے مُراد اور مدعا کیا ہے یعنی اُس کی تعریف اور غایت کیا ہے +

طمانیت قلب سے انسان کی وہ کیفیت عام مراد ہے جو ہمیشہ اور ہر ایک حالت میں خواہ بُری ہو خواہ اچھی ایک ہی پیمانہ اور اُصول پر ثابت اور قائم رہے اگر اُس کو دولت اور ثروت وافی نصیب ہو تب بھی اُس کی وہی حالت رہے اور اگر ثروت کے بجائے غُربت اور مسکنت ہو تو اُس صورت میں بھی وہی اطمینان شامل حال رہے دوسری صورت اور الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہر حال صابر اور شاکر رہے۔ نہ تو دولتمندی اور ثروت اُس کے خیالات اور ارادوں میں رعونت اور فخر و مباہات پیدا کر سکے اور نہ فقر و فاقہ اُس کو زیادہ تر بے صبر اور ناشکر بنا سکے۔ ہر ایک حالت میں ایک ہی شکر اور صبر کی صورت موجود رہے گو عوارضات اور مفروضہ صورتوں اور حالتوں میں بظاہر ایک فرق اور دگرگونی پائی جائے مگر حقیقتًا اُس کا اثر اور جذب نہ ہو یعنی حالت

اور یہی صورت ہے جس کو طمانیت قلب اور بہجت اور شانتی کہا جاتا ہے یہی صفت ہے جوان کی آتما اور روح کو مدارج عالیہ اور مراتب فائقہ پر پہنچاتا ہے۔ اور انسان کی زبان کو ہر ایک حالت اور ہر ایک درجہ میں یکساں ہی رکھتا ہے یہی صفت ہے جس کی دراصل تمام دُنیا والوں کو لولگی اور ضرورت اور تلاش ہے ضمناً ہر ایک متنفس کو اُسی کی حاجت ہے اور اُس کی سب مساعی کا آخری نتیجہ یہی ہے +

اس حالت کے حصول کے واسطے جس کی اوپر تعریف کی گئی ہے نہ تو کثرت اور قلت دولت اور نہ ہی ثروت وجاہ کی ضرورت ہے اور نہ نفروفاقہ اور اسنباج کی کیونکہ تجربہ اور مشاہدات اس بات کو ثابت اور واضح کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو خدا کے فضل وکرم سے اس دنیا میں ہر ایک قسم کی ثروت وبرکت اور دولت وغنا حاصل ہے وہ بھی شانتی اور طمانیت قلب سے آشنا نہیں ہیں جو لوگ ساری دُنیا تو نہیں مگر اس دُنیا کے اکثر حصص سے حصہ بخرہ لے کر مالک اور سلطان وقت بن بیٹھے ہیں اُن کی خواہشیں اور حرص بھی بس نہیں کرتیں وہ بھی ہمیشہ اسی تگ ودو اور خیال میں رہتے ہیں کہ اگر ہوسکے تو دوسروں کے مُنہ سے ٹکڑا چھین کر اپنا نوالہ کریں سکندر اعظم اور بونا پارٹ کو بڑی بڑی فتوحات اور کامیابیاں اس دُنیا کے بحصہ پر نصیب ہوئیں مگر جب تک اُن ناموروں کو خود زمین کا تختہ نصیب نہ ہوا تب تک اُن کے قلوب اور دلوں سے آرزوؤں اور ہوسوں کی پری نے پرواز نہ کی علےٰ ہذا دیگر سلاطین اور بادشاہوں کا بھی یہی حال قال رہا ہے دُنیا کی تاریخوں میں بہت سے ایسے شاہوں اور بہادروں کا ذکر پایا جاتا ہے جنہوں نے فتوحات بھی پائیں اور اکثر اوقات شکستوں کا منہ بھی دیکھا مگر اُن کے دل سے باوجود فتوحات اور ہاؤہوسوں کے حرص اور آز کا عارضہ ذرا کم نہ ہوا اُن کی مساعی برابر یہی رہیں کہ ساری دنیا کو ہی نگل کر ہضم کر جائیں اگر موت اُن کا علاج اور انتظام نہ کرتی تو شاید وہ تمام دنیا کو بھی نگل نگلا کر بس نہ کرتے۔ آدمی جب سن اور عمر میں زیادہ ہو جاتا ہے اور اُس کے

ہوے اور اعضا میں گونہ ضعف اور کمزوری پائی ہوتی ہے تو اُس وقت اُسے گویا موت اور اجل سامنے نظر آتی ہے مگر اُس حالت اور اُس عمر میں بھی سلسلہ حرص و آز میں کمی نہیں آئی ہے +

دم لبوں پر ہوتا ہے اور انسان حاکی بنیان کو گھر کے انتظام اور مال و متاع کی سوجھتی ہے اِن حالات اور ان کوائف سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑی دولتمندی اور ثروت اور فارغ البالی سے بھی انسان کو شانتی اور طمانیت قلب نصیب نہیں ہوتی یا یوں کہو کہ اقبالمندی اور دولت و ثروت بھی ان اوصاف کو پیدا نہیں کر سکتی +

رہا باقی فقر و فاقہ اور احتیاج سو اس کی دو صورتیں ہیں ایک فقر و فاقہ سے مراد انسان کی حالت افلاس ہے اور ایک وہ فقر جس میں انسان خود بخود ہی علائق اور عوارضات دُنیا کو ترک کر کے الگ ہو جاتا ہے اور جس کی علّت غائی یہ ہُوا کرتی ہے کہ اس دُنیا کے علائق اور کوائف سے ترک تعلق کر کے اُس ذات عالیہ سے لو لگائے جو علت العلل ہے +

طمانیت قلب

نمبر ۲

اَلفاقہ یا جبر معمولی افلاس اور فقر ہی دولت اور ثروت کی طرح انسان کی شانتی اور طمانیت کا باعث نہیں ہوتا اُس میں ثروت اور دولتمندی کی حالت سے بھی کہیں زیادہ آرزوؤں اور خواہشات کا غلبہ اور استیلا رہا کرتا ہے اگرچہ مفلس لوگ اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں کہ ان خالی حرص و ہواؤں سے کچھ نہیں ہو سکتا مگر باوجود اس کے اُنکی خوش فہمیوں اور بلند پروازیوں میں فرق نہیں آتا بلکہ روز بروز حرص کے سلسلوں کو ترقی ہی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ جب کسی عمدہ حالت کو دیکھ پاتے ہیں تو سو جان سے اپنی ننھی سی جان پر دُکھ اور آفت لاتے ہیں جس طرح ایک عاشق مزاج کے واسطے حسین آدمی کا دیدار فرحت آگیں

ایک وبال جان ہو جاتا ہے اسی طرح ان مفلسین کے لئے دوسرے لوگوں کے مدارج عالیہ اور عروج ایک زندہ آسیب ہیں وہ دوسروں کو اچھی حالتوں میں کیا دیکھتے ہیں در اصل اپنی جان پر ایک جاری اور ساری دُکھ وارد کرتے ہیں تمام دن اور رات اُسی دُھن اور فکر میں غلطاں و پیچاں رہ کر رشتۂ عمر عزیز کو سوراں کرتے ہیں۔ سعدی علیہ الرحمہ نے بہت ہی درست اور موزوں کہا ہے کہ حاسدین خود ہی حسد کی آگ میں سوراں اور جلتے رہتے ہیں افلاس سے حسد کی آتش کو بہت ہی اشتعال ہوتا ہے اور وہ انسان کے خیالات کو بہت ہی کمتر اور محدود کر دیتی ہے۔ ایسے انسان اگرچہ ظاہر میں خوش اور مطمئن نظر آتے ہیں مگر اُن کے اجوفِ قلوب اور اعتبیہ نفس کو کھول کر دیکھا جائے تو پتہ لگ جائیگا کہ وہ حسد اور خواہشات کی آگ میں از سرتا پا سوختہ ہو رہے ہیں طمانیت قلب اور شانتی تو گویا انہیں تمام عمر میں ایک حالت پر بھی رہنا نصیب نہیں ہوتا پھر بھی اگر وہ ایک بُری حالت پر بھی تمام عمر قائم رہیں تو کوئی بات تو ہو غضب اور لطف تو یہ ہے کہ اُن حریصوں کو ایک حالت بھی نصیب نہیں ہوتی گرگٹ کی طرح صد ہا رنگ بدلتے ہیں اگر وہ انصاف سے خود ہی اپنا حال بیان کریں تو لوگوں کے درد آمیز اشک کبھی اُن سے دریغ نہ کریں وہ خود تو اپنے حال پر روتے نہیں لیکن اور لوگ ضرور ہی روئیں ۔

افلاس اور دولتمندی کے درمیان ایک اور درجہ ہے جسے صاف الفاظ میں متوسطین کا درجہ گنا جاتا ہے جب اِن لوگوں پر نگاہ پڑتی ہیں تو اُن کی حالت بھی قابل افسوس پائی جاتی ہے گو یہ کہا گیا ہے کہ خیر الامور اوسطہا مگر یہاں تو کچھ اور ہی گل کھلا ہوا نظر آتا ہے یہاں بھی اژدہائے آز اور افعی حرص نے نیش زنی کر رکھی ہے اِن لوگوں کو اِس خیال نے چور کر رکھا ہے کہ حالت ادنےٰ سے بڑھ کر اعلےٰ درجوں پر پہنچ جائے یہ لوگ اسی دُھن میں شانتی اور صبر و استقلال کو خیرباد کہہ چکے ہیں کسی نے کیا عمدہ کہا ہے کہ ع

ہر کس بخیال خویش خبطے دارد

اگرچہ اِن تینوں گروہوں کی حالتیں اور صفتیں جداگانہ ہی ہیں مگر تینوں کی حرصیں یکساں ہی ہیں اگر دولتمندوں کو اور دولت کی خواہش ہے تو متوسطین کو دولتمند اور بڑا امیر بننے کی خواہش ستا رہی ہے اور اگر متوسطین کو یہ عارضہ دامنگیر ہے تو غریب مفلسوں کو متوسطین میں جگہ ملنے کا دُکھ کھائے جاتا ہے یہی تین گروہ ہیں جو اس دُنیا کے ستارے اور مہر و ماہ ہیں سو دیکھ لو ان غریبوں کو دن چین اور رات سکھ نصیب نہیں ہر ایک کو دست بسا اور جلا ما ہے کوئی کسی کو روتا ہے اور کوئی کسی کو کوستا اور پیٹتا ہے جس کوچہ اور گلی میں جاؤ یہی آواز دردناک آتی ہے کہ ہم ہی اس کوچہ یا گلی میں مظلوم اور دردرسیدہ ہیں اور سب لوگ ہم سے اچھے اور خوش ہیں اگر آگے قدم اُٹھاؤ تو اُس سے بھی زیادہ شور و شر اور ہائے ہو کی صدائیں سُنی جاتی ہیں دیکھنے والوں کو حیرانی ہوتی ہے کہ یا اللہ دنیا میں کسی کو چین اور تسکین نصیب ہے یا کہ سب کے سب گرم بھٹیوں میں سوختہ ہو رہے ہیں ✤

اِن سب سدرا اور حیران شدہ گروہوں کو دیکھ کر ایک تیسری رُوح شناسی کے پہاڑوں کی بلند اور خوشنما چوٹیوں سے یوں صدا اور آواز دی ہے " حیران و سرگشتہ رنہ ہو جن راہوں سے تم جاتے ہو وہ اطمینان کی راہیں نہیں ہیں جن لوگوں کو تم دیکھتے ہو وہ دائرہ طمانیت اور شانتی سے آشنا نہیں ہیں بلکہ اُس سے کوسوں دور ہیں یہ وہ خوشنما راہیں نہیں ہیں جن کی تلاش میں تم پھرتے ہو تم اُن مبارک راہوں سے بہت ہی دور ہٹ آئے ہو ۔ آؤ میں تم کو دکھا دوں اور رہبری کروں وہ دیکھو سامنے ایک سنہری بورڈ لٹکتا ہے اُس پر موٹے اور جلی حروف سے کیا لکھا ہے ہاں اُس پر یہ جملہ لکھا گیا ہے غور سے پڑھو اور پھر سوچو " دل کی طمانیت دولتمندی اور افلاس یا متوسط حالت میں نہیں ہے نہ تو وہ دولتمندی سے ملتی ہے اور نہ اُس کا علاج افلاس کے ہاتھوں میں ہے اور نہ توسط اس کو پا سکتا ہے اُس کی راہیں اور ہی ہیں اس جملہ اور ان سطروں کو دیکھنے والو

غور سے پڑھو اور پھر سوچو کہ کیا اُن گروہوں میں یہ نشانات پائے جاتے ہیں اگر تم چاہتے ہو کہ طمانیت قلب کی صحیح صورت کو دیکھ سکو تو دیکھو جس طرف انگلی گرتی اور جدھر میری صدا جاتی ہے اُدھر ہی جاؤ۔

کیا تم دولت اور ثروت سے دل کا اطمینان حاصل کر سکتے ہو کیا تمہارا متوسط درجہ تمہیں مطمئن کر سکتا ہے کیا تمہیں افلاس میں طمانیت کی خوشی اور شانتی مل سکتی ہے؟

نہیں نہیں یہ سب صورتیں شانتی اور طمانیت کے واسطے تکمیلی نہیں ہیں اور نہ ان قوتوں سے ہم کو خوشی اور شکر کا سرمایہ مل سکتا ہے ہم نے ان سب صورتوں اور کیفیتوں کو دیکھا اور اُن سے کام لیا ہے ہم کو اُن سے کبھی شانتی اور طمانیت کی مقدس روح کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا ہے۔

جب تمہیں خود ہی ان قوتوں کی سُودمندی سے انکار ہے تو کیا تمہیں پھر اُس بورڈ پر نظر نہیں کرنی چاہئے اور کیا تمہیں یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ اس بورڈ کے الفاظ میں کیسی باتیں اور کیا بھید ہے اور کیا تمہیں اس کے اشاروں پر نہیں چلنا ہوگا اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں اُس صدا کی رہبری کر کے اصلی کوائف اور حقیقت سے آگاہی بخشی جائے۔

آؤ میں تمہیں صحیح صحیح راہوں پر لیجا کر شانتی اور طمانیت قلب کا مبارک راستہ دکھاؤں اور تمہیں سمجھاؤں کہ شانتی اور طمانیت قلب سے کیا مراد ہے۔

دوستو اور میرے عزیزو شانتی اور دل کی طمانیت نہ تو دولتمندی اور اقبالمندی سے ملتی ہے اور نہ اُس کا سُراغ اور نشان افلاس اور توسط میں پایا جاتا ہے ان صورتوں میں تو وہی حرص اور وہی آز جلوہ گر اور مشتعل رہتی ہے جس سے مامون اور مصئون رہنے کی سعی اور شوق کیا جاتا ہے جس راہ سے یہ گوہر مراد ملتا اور ہاتھ لگتا ہے اور یہی ہے لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ دولتمندی اور دوسری حالتوں سے ان امور کی خواہش کرتے ہیں۔ نہ تو یہ حالت دولتمندی سے ملتی ہے اور نہ کسی دوسرے اثبات سے۔ یہ سب حالتیں

اور سب امور دل سے متعلق ہیں۔ اور ان کا زیادہ تر لگاؤ روحانی قوتوں سے ہے اور ان کی فہم و دانست کے لئے ایک رمز شناسی کی ضرورت ہے۔ وہ رمز کیا ہے حقائق امور پر غور کرنا اور اصلیت کو پانا۔ امارت اور ریاست یا افلاس اور فلاکت نے اس قدر تو ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس جوہر طابیت کو عمدگی کیا نقص سے بھی پیدا نہیں کرتیں۔ دُنیا کے بہی بڑے اور نامور جو چلے تھے انھوں نے تو کوئی ساتھ نہ دیا ناکارہ ہی ثابت ہوئے پھر اس وصف کے حاصل کرنے کا اصول کیا ٹھیرا وہی حقائق اور اصلیت کا پانا ادراک حقائق کیا ہے اپنی اصلیت اور حقیقت پر غور کرنا اور دُنیا کے اعزاز اور مراتب کی نوعیت اور ثبات اور قیام کو دیکھنا۔ اگر انسان اپنی حقیقت اور کیفیت پر غور کی نگاہیں ڈالے تو اُسے پتہ لگ جائیگا کہ وہ اگرچہ اپنے خیالات میں بہت ہی شجاع اور مستقل مزاج ہے مگر دُنیا کی گردشوں کے سامنے اس کو کوئی حقیقت حاصل نہیں جب گردش آئی اور دنوں کی گردش گردانی ہوتی ہے تو ان کے سارے اعزاز و اکرام و امتیازات حباب کی طرح گم اور نابود ہو جاتے ہیں ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ایک بادشاہ کو ایک ملک اور قوم کا جابر یا قاہر بادشاہ کہا جاتا تھا۔ اور ابھی کچھ دیر نہیں ہوئی کہ ایک خوفناک وادی میں اُس کی بے کفن لوتھ مخلوق کے سامنے پڑی ہے نہ وہ حکم رہا اور نہ وہ حکومت نہ وہ جبروت اور نہ وہ شجاعت جس طرح ایک غریب اپاہج کی لوتھ یا نعش بند نام داروں کے نرغہ میں دھری رہتی ہے اسی طرح پر اُس جلیل اور نامور بادشاہ کی لاش گورستان میں بے وارث رکھی ہے اور اب اُسے جانور کسی جگہ لئے پھر و اور کچھ کرو اُس کا کوئی اعتبار نہیں کہ تمہارے ارادوں اور عزائم میں کوئی دست اندازی کر سکے وہ خاموش اور چُپ ہے جو کچھ اُس کی رُوح پر گُزرتی ہے وہ وہی جانتی ہے اب اُس مرحوم بادشاہ کی روح کہتی اور سوچتی ہوگی کہ دُنیا میں جو کچھ اُس کو بلند پروازیاں اور نعمتیں اور معارج حاصل تھے وہ سب ایک وہم اور ایک سراب تھے جس بدن کو کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا اب اُس کو مزے اور ذوق سے کیڑے مکوڑے کھائینگے یہ طاقت نہیں کہ اُس بدن سے

کوئی حرکت بھی ہو سکے کیا اس برتے پر انسان تکبر اور رعونت کرتا ہے یاد نیا ہوں کہ جس طرح دُنیا کے سُہ زوروں اور حسینوں کو بھی گونہ تکبر اور غرور رہتا ہے۔ مگر تم اُن کے حُسن اور سہ روری کے ایام کو نہ دیکھو بلکہ اُس وقت کو دیکھو جب وہ بستر رنجوری اور لحد کس مپرسی میں نازل ہوتے ہیں اگر اُن سے اُس وقت اُس رعونت اور تکبر کا حال دریافت کیا جائے تو آپ لوگوں کو یقین آ جائیگا کہ جس درد اور جس دُکھ میں اُن کی جان اور اُن کی ہستی ہے خدا وہ کسی دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ رہے دولتمند اور باثروت لوگ اُن کے اطمینان اور تسلی کے واسطے یہی کافی ہے کہ ہم اُنہیں سلاطین عظام کے مقبرے کا پتہ دیں وہ اگر ان کے مقبرے کو دیکھ پائینگے تو اُن کو اعتبار کیا یقین کلی ہو جائیگا کہ جب ان سلاطین وقت اور عظام زمانہ کو ہی اُن کی حکومت اور فرمانروائی سے کوئی مدد نہیں ملی تو اُن کی ثروت و برکت کس کام آ سکتی ہے +

طمانیت قلب

نمبر ۳

موت تو کیا انسان کی حالت جو ایک چھوٹے سے دُکھ اور درد سے ہوتی ہے اِس سے بھی یہ ہی بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان کی کچھ حقیقت نہیں جب یہ سمجھ میں آ گیا کہ نہ تو خود حضرت انسان کی کوئی خصوصیت ہے اور نہ اُس کے مراتب اور مکارم میں کوئی ثبات اور قیام ہے تو پھر خود انسان کو ہی سوچنا چاہیئے کہ وہ کس بات پر تکبر کرتا اور اترا تا ہے۔ کیا ایک حباب سمندر کی موجوں کے سامنے اترا سکتا اور تکبر کر سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں اگر ایک دم کے لئے انسان ان بکھری راہوں سے جدا ہو کر اپنے آپ کا تماشا اور نظارا کریگا تو اُسے ثابت ہو جائیگا کہ وہ ایک بڑی غلطی میں پھنسا ہی غلطی ہے کہ اُسے شانتی اور طمانیت قلب سے دور اور اجنبی رکھتی ہے +

اگر اُس میں یہ غلطی اور سقم نہ ہوتا تو وہ کبھی کا طمانیت پالیتا۔ ان امور سے طمانیت قلب کے حاصل کرنے کا یہ ایک اصول ثابت ہوا کہ انسان اپنی ہستی اور حالت کو حباب آسا سمجھے اور

اُس کے ساتھ ہی دُنیا کے کل کارخانوں اور نشیب و فراز کو بھی ہوا پر خیال کرے اور جب سوچ لے کہ ان امتیازات میں کوئی جان نہیں رکھ سکتا نہیں جیسے پتلیاں ایک پتلی گر کے ہاتھ کے ڈور سے سے ناچتی اور تماشا کرتی ہیں ایسا ہی ان سب معارج اور مراتب کا خیال ہے۔ جب یہ سب انسان کے دل میں یہ اصول جم جائیگا اُس وقت اس کو دولتمندی اور افلاس کی حالت یکساں معلوم دیگی اور اُس کی نگاہوں میں یہ سب امتیازات ایک طلسم اور کھیل دکھائی دینگے +

اُس وقت انسان پر کُھلیگا کہ خدا کے ساتھ ہوئے اور اُس کو ایک قائم ذات جاننے سے انسان کی روح تانبے سے سونے کی ہوجاتی ہے +

ماگر شاہ و گر گدا باشیم		در ہمہ حال با خدا باشیم	
جملہ اسماء ذوق مے جوئیم		از مسمٰے کجا جدا باشیم	
موج بحریم و عین باآب است		ما دریں بحر آشنا باشیم	
دردمندیم و درد مے نوشیم		دائما ہمدم دوا باشیم	
غیر او دیگرے مے دانیم		عاشق غیر او کجا باشیم	

ما چو باشیم بندۂ سید
بندۂ دیگرے چرا باشیم

کیمیا اور اکسیر اس چیز کا نام نہیں کہ لوہے سے سونا بنایا جاوے بلکہ اُس حالت کا نام ہے کہ انسان اپنی کمزوریوں کو ترک کر کے راسخ القلب اور قوی الروح ہو کر دل کی طمانیت کا وارث ہو جو حالت اور صورت نصیب ہو اُسی پر خوشی کے ساتھ شاکر اور صابر رہے وہ مرضی اعلےٰ جو سب قلوب اور جواہرات پر قادر اور محیط ہے اُس کے ارادوں کو اپنے خیالات پر قادر اور محتوی جان کر انسانی کمزوریوں اور بشری سختیوں کو قالب انسانی سے بدر کر دیا جاوے دُنیا اور ما فیہا دُنیا کو ایک تماشا اور سیرگاہ تصور کر کے دلی قوتوں کی جلا اور ضیا میں سعی اور توجہ کی جائے اور جو حالت اس قیامگاہ چندروزہ میں نصیب ہو اُسی پر خوشی سے قانع اور صابر رہیں +

ہرچہ داریم ما ارد داریم   لاجرم جملہ راکمو دائم

جب انسان کے دل کی یہ حالت قائم ہو جاتی ہے تو اس وقت انسان کے دل سے عذر اور دوئی کا وہم وگمان اُٹھ جاتا ہے اور اُس کو ایک اطمینان کا رشتہ مل جاتا ہے کیونکہ جب کسی حالت پر گلہ اور شکایت نہ رہی تو پھر ہائے ہو اور آہ و زاری کا موقع کہاں رہا جب شکایت اور ہائے ہو نہ رہی تو دل اور روح میں ایک استقلال آگیا اور اُس استقلال سے طمانیت قلب کا گوہر مقصود ہاتھ لگ جائیگا اگرچہ صورت نمود اُس وقت ہوگی کہ جب اُس مرضی اعلےٰ اور قادر مطلق کے ارادوں اور قوانین کو اپنے قوانین اور ارادوں پر بالاتر اور عالی سمجھا جائیگا۔ اُس اعلےٰ مرضی سے جب انسان رجوع لاتا ہے تو اُس کو فوراً ہی دارو ئے صحت دستیاب ہے۔

درد دل خردیم و درماں تافتیم   سوز جاں خردیم و جاناں یافتیم
بے نواگشتیم در ہر گوشہ   ناگہاں نقد فراواں یافتیم
عاشقاں از ناکسائے یافتہ   ناکمال قلب رحماں یافتیم
آشکارا شد کہ ما در کنج دل   حاصل کونین پنہاں یافتیم
جاں ما تا مبتلائے عشق شد   از بلا ہیں راحت جاں یافتیم

جو کچھ نہیں دیا گیا یا جو کچھ ہم سے لیا گیا ہے وہ کسی قاعدہ اور قانون کی پابندی سے لیا اور دیا گیا ہے ہم اُس کی بابت کیوں زیادہ تر اپنا سر لے اور بڑھ کر شکیں اور اداس ہوں نہ ہو کیوں نہیں ان سب امورات اور انعامات کو اُسی اعلےٰ مرضی پر موقوف اور منحصر رکھے بیقراری اور اضطراب نہ تو کچھ کمی کرتا ہے اور نہ کچھ بیشی اُس طاقت کے قوانین میں تغیر اور اُلٹ پلٹ کو کچھ دخل نہیں۔ رضا اور قناعت اور مرضی مولا از ہمہ اولےٰ پر عمل کرکے جاویں اور خوش رہو۔

ماعاشق ہستیم و طلبگار جدائیم   اے پیر لب ساحل تو چہ دانی کہ کجائیم
ما بادہ پرستیم ازیں خلق جدائیم   مائیم کہ از سایہ گذشتیم دگر بار
ماغرق محیطیم نہ جوئیم دگر آب   ما سایہ سحوئیم ہمائیم ہمائیم
مائیم کہ اردما و سبی ہیچ نماندست   در عشق بقائیم منزہ ز فنائیم

زمانہ

تعریف - دہر یا دور یا زمانہ وغیرہ مرادف الفاظ ہیں یعنی ان کے معانی اور مفہوم قریباً یکساں واقع ہوئے ہیں یا ایک ہی ہیں جس طرح اور بعض الفاظ کے معانی کو مختلف علموں میں مختلف معانی میں تعریف کیا گیا ہے اسی طرح پر زمانہ یا دور یا دہر کی تعریف اور مفہوم جدا اور علیحدہ علیحدہ بیان ہوئی ہے۔ لکر مذہب میں زمانہ کی اور تعریف ہے اور فلسفے میں اور

جو لوگ صوفی مشرب ہیں اُن کے خیالات میں زمانہ اور اجزائے زمانہ سے کچھ اور ہی مراد ہے اور جو لوگ خدا کے وجود سے منکر ہیں وہ دہر کو اور ہی مفہوم میں لیتے ہیں اُن کا مقولہ ہے کہ نعوذ باللہ خدا کا کوئی وجود اور ذات نہیں جو کچھ ہے یہی مجموعہ دہر اور اجزائے زمانہ ہیں جس کو مجموعہ عالم کہا جاتا ہے اُن کے خیال میں زمانہ ہی اس میں موثر ہے اور اسی ماہر کو لوگ غلطی سے ایک خاص وجود خدا سے تعبیر کرتے ہیں۔

جو لوگ علم یا فن مسمریزم سے آشنا ہیں اُن کے خیال میں زمانہ کی ماضی - حال - اور مستقبل پر تقسیم فضول اور مہمل ہے اُن کا قول ہے کہ دراصل تقسیم خلاف اصلیت کے ہے نہ تو زمانہ ماضی ہے اور نہ مستقبل صرف حال ہی حال ہے۔

علےٰ ہذا القیاس اور علم اور فن والوں نے زمانہ اور زمانہ کے اجزا کی نسبت مفصل بحثیں کی ہیں۔

ہم نہیں چاہتے کہ اس مضمون میں اُن مختلف معانی اور تعاریف کو بیان کرکے بحث کریں ورنہ یہ ایک لمبی بحث ہو جائیگی ہم ایک مفید راستہ سے زمانہ کی بابت بحث کرنا چاہتے ہیں "عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ وہ زمانہ نہیں رہا یا وہ زمانہ گزر گیا اب کوئی اور زمانہ ہے یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جس سے سننے والے کو اس قدر ضرور وہم ہوتا ہے کہ زمانہ بھی کوئی وجود یا جسم رکھتا ہے اور وہ ایک ایسی طاقت ہے جو ایک صاعقہ کی طرح حلول اور صعود یا خروج

کرتی یا آتی جاتی ہے۔

زمانہ کا وجود۔ عام فہم مطالب کے لحاظ سے ہمیں کہنا پڑیگا کہ زمانہ کا کوئی وجود یا کوئی جسم نہیں ہے اور وہ کسی جداگانہ حالت کا نام نہیں ہے اور اسی مجموعہ عالم کی حرکات اور سکنات اور ہیئت مختلفہ کا نام اعتباراً لوگوں نے دہر رکھ دیا ہے اور مجازاً یہ اطلاق کیا جاتا ہے کہ زمانہ گزر گیا یا زمانہ کی یہ حالت ہوگئی ہے درحقیقت انسانوں نے جن مفادیر کو اپنے اپنے افہام کے مطابق زمانہ یا اجزائے زمانہ قرار دے رکھا ہے وہ خود اسی مجموعہ عالم کی حرکات و سکنات یا ہیئت کا مجموعہ اور ظہور ہے جس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ زمانہ نہیں رہا اب اس زمانہ سے حالات نہیں رہے تو اس کا اصلی مفہوم یہ ہے کہ جو حرکات اور سکنات اور ہیئت ایک وقت میں تھی وہ اس وقت میں نہیں ہیں۔ اگر مجموعۂ عالم کا وجود مشخصہ نہ ہوتا تو یہ توضیح کیونکر ہوسکتی تھی ایک وقت کا دوسرے وقت سے متفاوت ہونا صرف مجموعہ عالم کی طاقتوں کے موجود ہونے پر ہی موقوف ہے ورنہ آفتاب کا طلوع و غروب اور شب و روز کا ظہور اور عدم کیا شہادت پیش کریگا اس میں شک نہیں کہ اجرام متحرکہ اور سیارات ایک حرکت میں ہیں لیکن ان کی حرکت دیگر طاقت ہائے مجموعہ عالم کے اور امور پر گواہ اور شاہد نہیں ہو سکتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مجموعہ عالم میں یہ سیارات اور اجرام فلکیہ اور دیگر عناصر بھی شامل ہیں گویا اس مجموعہ کا جزو اعظم ہے مگر ان کا تاثر اور احساس بذاتہ تو کچھ بھی نہیں یعنی اگر مجموعہ عالم کے اور اجزا ان کو محسوس نہ کریں تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان کا اثر کیا شے ہوسکیگا۔ مثلاً اگر ہم گردش ارضی کو علامات خاصہ سے خود ہی محسوس کر کے مفید یا غیر مفید نہ قرار دیں یا دیگر عناصر کے احساس اور لمس یا وجود پر اپنی ذاتی شہادتیں اور نفع و نقصان کے براہین نہ قائم کریں تو اُن کو مجموعہ عالم میں کیونکر شمار کیا جا سکتا ہے ہم جو یہ کہتے ہیں کہ زمانہ گزرتا جاتا ہے یا کوئی سیارہ حرکت کرتا ہے یا سرد ہوا چلتی ہے یا گرم موسم آگیا ہے یا سموم ہوائیں چلتی ہیں یا دن گھٹا اور رات بڑھی یا آفتاب غروب ہوگیا اور چاند طلوع نہ ہوا تو اس کا مطلب کیا ہے یہ کہ ہم ان تغیرات اور

تبدیلات کو خود اپنے آپ میں محسوس کرتے ہیں اور پاتے ہیں کہ یہ کیفیات مجموعۂ عالم میں ظہور کر رہی ہیں جن سے ہماری حالتوں میں بھی گونہ فرق اور انقلاب آتا جاتا ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ زمانہ نہیں رہا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہمارے اور اجزائے معنویہ میں کوئی کمی اور فرق آگیا ہے بلکہ یہ کہ جو طاقتیں اور جو نسلیں اول اور اجزائے معنویہ کو محسوس کرتی ہیں اُن کا وجود نہیں رہا۔

زمانہ کا تغیر و تبدل ۔ زمانہ کے تغیر و تبدل سے صرف اجرام سماوی کے تغیرات ہی مراد نہیں ہیں بلکہ کل مجموعہ عالم کے تغیرات اور تبدلات کا نام انقلاب زمانہ ہے شاعرانہ خیالات کے تقاضے سے تو ضرور فلکی گردشوں سے یہی گردش دہر مراد ہے مگر در اصل زمانہ نہ کوئی گردش ہے اور نہ کوئی انقلاب۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ زمانہ بدل گیا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خود انسان کی حالت تبدیل ہو گئی ہے انسان اپنے آپ پر تو الزام نہیں رکھتا مگر زمانہ کو کہتا ہے کہ وہ تبدیل ہو گیا حالانکہ خود اس کے اجزا اور حالات تبدیل ہو کر اور صورتوں اور ڈھانچ پر قائم ہوتے ہیں اگر وہ اپنے آپ کو بھی زمانہ کے ساتھ شامل کر سکتا تو پایا جاتا کہ وہ منصف ہے لیکن اُس کا اپنے آپ کو بری الذمہ رکھنا (حالانکہ وہ خود بھی متغیر اور متبدل ہے) ایک سخت ناانصافی ہے انسان اگر اپنے آپ کو دیکھے کہ کیا وہ وہی ہے جو پہلے تھا تو اُسے ضرور ماننا پڑیگا کہ در اصل وہ خود ہی بدل گیا ہے اور زمانہ کے اجزا میں کوئی فرق نہیں آیا وہ بدستور موجود ہے۔

انسان جب ریل پر سوار ہوتا ہے تو اس کو بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین ریل کو چھوڑتی جاتی ہے حالانکہ زمین اپنے مرکز ہی پر حرکت کرتی ہے اور ریل اُس پر سے گزرتی جاتی ہے یہی حال انسان کے مقابلہ میں دوسرے اجسام کا ہے وہ بدستور اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں انسان خود ہی بدل جاتا ہے۔

انسانی مجموعہ میں جو چپ چاپ تغیرات اور تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کو اگر انسان ذاتی

طور پر ساتھ کے ساتھ ہی محسوس کیا جائے تو اُسے معلوم ہو جائیگا کہ وہ بدوِ عمر سے اُس عمر تک کس قدر تبدلات کی حد تک پہنچا ہے۔ انسانی احساس کی مثال بعینہ ایک سادہ لوح کے مزاج کی ہے سادہ لوح ہمیشہ ساری دُنیا کی عقل اور خردمندی یا تجربہ کو اپنے تجربوں اور عقل کے مقابلے میں ہیچ اور ہیچ سمجھتا اور ناکامل قرار دیتا ہے اور ہمیشہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ در اصل میری رائیں اور میرے خیالات ہی صحیح اور درست ہیں مگر در اصل وہ ایک فاش غلطی پر ہوتا ہے وہ اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کو خود محسوس اور دریافت نہیں کرتا اس واسطے اپنے مقابل میں دوسری ساری دُنیا کو مُبہم سا ماتا ہے اگر وہ اپنی کمزوریوں پر نظر کرتا تو اُسے آسانی سے پتہ لگ جاتا کہ فی الحقیقت ساری دُنیا غلطی پر نہیں وہ خود ہی ناسمجھی اور غلطی پر ہے جو حال اس سادہ لوح غریب کا ہے وہی حال انسان کا مجموعہ عالم کے مقابلے میں ہے حالت تو خود اُس کی ہی بدلتی جاتی ہے اور ملزم بناتا ہے زمانہ اور دہر کو۔ ہذا شیٔ عجیب۔

انقلاب زمانہ کا اثر۔ جن علما اور حکیموں نے تابز الاشیا کی نسبت وسیع اور دلچسپ تحقیقاتیں کی ہیں اُن کا قول ہے کہ اس مجموعۂ عالم میں کوئی قوت یا ساخت یا مجموعہ یا جزو مجموعہ ایسا نہیں ہے جو مؤثر یا متاثر نہ ہو۔

یا مؤثر صورتیں ہوتی ہیں یا متاثر حالتیں۔ اس امر میں بحث ہے کہ آیا دونو قوتیں ہر ایک ذات اور وجود میں مودّعہ ہیں یا فرداً فرداً کوئی مؤثر ہے اور کوئی متاثر ہمارے خیال میں قول فیصل اور مرجح یہ ہے کہ ہر ایک وجود بعض حالتوں میں مؤثر ہے اور بعض میں متاثر۔ اثر اور تاثیر کی حالتیں نسبت اور مقابلے کی جہت یا اعتبار سے پائی جاتی ہیں نہ ہر وجود محض حالت مؤثریت یا متاثریت میں محصور اور محدود ہے بلکہ اس مجموعہ میں سے جس وجود اور طاقت کو لیا جائیگا ثابت ہو جائیگا کہ وہ بعض وجودوں اور بعض چیزوں کے مقابلے میں مؤثر ہے اور بعض کی نسبت میں متاثر۔ دیکھو بعض کیفیتیں بعض انسانوں کے مقابلے میں باعتبارات فن مسمریزم کے معمول ہوتی ہیں اور بعض حالتوں میں عامل۔ کوئی طبیعت ایسی ثابت نہیں

ہوسکتی کہ جوہر ایک طبیعت ثانی کے مقابلے میں ہمیشہ معمول یا عامل ہی رہتے +

جب یہ کہا جاتا ہے کہ زمانہ کے انقلابات اور گردش دوری سے انسانوں کی طبیعتوں اور حالتوں میں حدت اور اثر کیا ہے تو عام طور پر اس کا منشا اور مفہوم یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک جبر یا طاقت خارجی جو اس مجموعہ عالم سے الگ اور جدا ہے اثر اور جذب کر رہی ہے یہ ایک ایسا خیال ہے جو حقیقت امر کو ایک غلطی کے اندر میں چھپاتا ہے اس مجموعہ عالم کے سوا اور کوئی ایسی جابر اور حادث یا موثر یا طاقت نہیں ہے جو انسانی طبائع اور مواد پر محتوی ہو کر انقلاب اور دگرگونی پیدا کرے یہ ضرور مان لیا جائیگا کہ اسی مجموعہ میں سے آب و ہوا اور آفتابی و ماہتابی تاثیریں اور حدباتی ضرور طبائع پر اثر ڈالتی ہیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا ان اشیا اور اجسام کا وجود اس مجموعہ عالم سے الگ اور جدا ہی نہیں ہیں یہ سب وجود اور سب طاقتیں اسی مجموعۂ کبیر میں شامل اور داخل ہیں +

جب ہم مجموعۂ عالم کا لفظ اطلاق کرتے ہیں تو اس میں سے کوئی جسم اور مادہ باہر اور خارج نہیں رہ سکتا۔ آفتاب و ماہتاب و سیارات و ثوابت و اربع عناصر وغیرہ سب اسی مجموعہ میں داخل اور شامل ہیں ایک دوسرے پر برابر حسب جذبات اور مواد طبیعیہ کے اثر کر رہے ہیں۔ زمانہ یا دہر کوئی جدا طاقت یا وجود نہیں ہے کہ اس کو ایک جداگانہ موثر یا متاثر قرار دیا جائے یہ ہمارے احساس اور ادراک کی کمزوری یا کمی ہے مگر ہم اس حادث یا موثر کو اپنے سلسلہ میں سے الگ ثابت کر کے ایک جدا طاقت قرار دیتے ہیں اگر ہم غور کو اور بھی آگے بڑھائیں تو ثابت ہو جائیگا کہ دراصل اس مجموعہ میں سے کوئی موثر یا متاثر جدا اور غیر نہیں ہے یہی مجموعہ مختلف صورتوں میں موثر اور متاثر کی دلربا صورتوں میں بار بار ظہور اور عود کر رہا ہے جن لوگوں نے اس حالت کو غور کی نگاہوں اور فطرت کی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ اس بات کو کبھی کے معلوم اور ثابت کر چکے ہیں کہ اسی مجموعۂ عالم میں اثر اور تاثیر کی طاقت اور سسٹیم موجود ہے اور اسی کی کرتوتوں یا اعتبارات کا دوسرا موزوں نام زمانہ یا دہر ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ

زمانہ یوں اور یوں تو اُس سے مفہوم اور مراد کیا ہوتی ہے ان الفاظ سے کس کو مخاطب بنایا جاتا ہے اور وہ کونسی تیسری طاقت ہے جو مُدبر قرار پاتی ہے اگر تحسس اور ادراک تام کسی نتیلی کا نام نہیں تو ہیں صاف صاف کہنا پڑیگا کہ کوئی تیسری طاقت نہیں ہے یہ مجموعۂ عالم خود ہی موثر ہے اور خود ہی متاثر ہاں اِس مجموعہ عالم کے باہر ایک اور ذات اور طاقت محتوی اکمل رکھی ہے جو ایک انجن کی طرح اِس گاڑی کو اپنی حکمت اور قدرت سے چلا رہی ہے اور جسے دوسرے الفاظ میں صانع اور خدا کے بزرگ ناموں سے موسوم کرتے ہیں اور جس کو ہم اِس مجموعۂ عالم سے بلحاظ ایک کامل صانع اور رب ہونے کے باہر خیال کرتے ہیں اُس ذات احدیت کو ہم کسی صورت میں زمانہ یا دہر کے نام سے موسوم اور تعبیر نہیں کر سکتے کیونکہ اگر ہم اُس کو زمانہ یا دہر قرار دیں تو ہمیں بڑی مشکل کا سامنا ہوگا زمانہ اور دہر تو کوئی شئے اور طاقت بذاتہ نہیں ہے وہ تو اِسی مجموعۂ عالم کی حرکات کا نام ہے کیا نعوذ باللہ خدا بھی مجموعۂ عالم کی حرکات کا اثر ہے ✦

نہیں نہیں۔ خدا ایک جدا اور اعلےٰ طاقت ہے اور اِس مجموعۂ یا مجموعۂ کبیر کا خالق اور موجد ازلی ہے اُس نے اس مجموعۂ عالم اور اُس کے اجزاے صغیرہ و کبیرہ کو ایک خاص طاقت اور تاثیر بخش رکھی ہے اُسی حکمت اور قدرت کے زور پر اس مجموعۂ کبیر کا انجن چل رہا ہے ✦

اب ہم اِس امر کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اُس اثر سے کیا مراد ہے عام رائے یہ ہے کہ ایک خارجی طاقت میں یکایک ایک ایسا تغیر و تبدیلی واقع ہوتی ہے کہ اُس سے اِس مجموعۂ عالم کی حالت آناً فاناً دگرگوں ہو جاتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں ناگہانی سرعت سے نئے نئے خیالات کا حدوث ہونے لگتا ہے جس کو بعض اوقات اُس کی سرعت اور حدت کے باعث محسوس اور معلوم بھی نہیں کیا جا سکتا بعض وقت ایک ایسی سخت اور ناگہانی تبدیلی معلوم ہوتی ہے کہ اس کے مواد اور اسباب بالکل اجنبی اور غیر مانوس ہوتے ہیں۔ ان تبدیلیوں اور ناگہانی تغیرات کا باعث اور حقیقی موجب زمانہ کو قرار دیا جاتا ہے یہ استدلال

ایک غلط فہمی کا اثر ہے جن تبدیلیوں کو سریع النفوذ اور موجب حلِ عقد قرار دیا گیا ہے وہ مواد یا اسباب جدید الحادث نہیں ہیں اور نہ کسی غیر جگہ سے نکلے ہیں وہ اپنے اوران طبعیہ کے موافق مدت مدید سے حدوث کر رہے ہیں عام طبیعتوں نے اُن کی حرکات کو غور کی نگاہوں سے مطالعہ نہیں کیا اگر اُن کی دوربین نگاہیں اُن تک رسائی کریں تو اُن پر ثابت ہو جاتا کہ اُن کی بنیادیں بہت عرصہ سے قائم ہوتی آتی ہیں اور اُن کا بنیادی پتھر خود اُسی مجموعہ عالم کے ہاتھوں سے رکھا گیا ہے جو لوگ اُس مجموعہ میں سے دوربین اور دوراندیش تھے اُنھوں نے اِس بنیادی پتھر کے رکھنے کی تاریخوں اور واقعات کو اپنی تحریروں میں ذکر کر دیا ہے جیسا کہ اخیر وقتوں میں اُن کی پیش بینی اور دوراندیشی آفتاب عالمتاب کی طرح تمام مجموعۂ عالم اور مجموعۂ کبیر پر روشن ہو کر اپنی صداقت کو زور سے منوانی ہے اِن باتوں کا ثبوت تاریخی صفحات سے مل سکتا ہے تاریخوں کو ہاتھ میں لو اور غور کی نگاہوں سے پڑھ کر دیکھو کہ وہ انسانوں اور اس دُنیا کو کیا دلچسپ سبق دے رہی ہیں تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کبھی اِس دُنیا اور اس مجموعہ میں کوئی تغیر عظیم واقع ہوا ہے تو اس کے پہلے اور پیوستہ ایام میں اِس قسم کے واقعات اور خیالات کا جوش ہوا ہے کہ اُس سے دوربینوں نے اُسی وقت پتہ لگا لیا تھا کہ دُنیا میں کوئی حادثہ ہونے والا ہے جب دُنیا میں یوریپین قوموں کو ذلت اور کمال درجہ کی پستی حاصل تھی اور کوئی توقع اُن کے موجودہ عروج کی کسی بشر کو بھی نہ تھی اُس وقت بھی اُن میں دھیمی دھیمی ترقی کی روح بلند پروازیاں کر رہی تھی گو عام طور پر اُس کا کوئی وجود اور ثبوت نہ ملتا تھا مگر بہت سے لطیفت دلوں نے پا لیا تھا کہ دُنیا کے اس حصہ میں کوئی بڑی بھاری تبدیلی ہونے والی ہے اگر ہم یوریپین ترقیات کی بنیادوں کو سرے سے دیکھنا شروع کریں تو ہمیں قایل ہونا پڑیگا کہ ایک سلگتی ہوئی آگ شعلہ کی صورت میں بدل گئی ہے یہی سلگنا ایک اثر اور گردش تھی جس نے بتدریج ایک شعلہ کی صورت میں آ کر کے تمام دُنیا

ہیں روسی پھیلائی۔ جب آپس میں مسلمانوں کی ترقی کو چشم زخم پہنچنے کا وقت قریب آیا
تو اُس کے بُرے آثار سو برس پہلے ہی محسوس ہونے لگے تھے اور پھر جب اُس قوم اور
فاتحین کا پیمانہ حکومت لبریز ہو گیا تو لوگوں کو بلکہ خود اُس قوم کو ایسا ہی معلوم ہوتا تھا کہ
گویا اُن پر اُن کی بدبختی کے دن یک لخت آ گئے ہیں یہیں نہیں یک لخت حملہ نہیں ہُوا
بلکہ مدتوں کے بعد یہ حادثہ واقع ہو کر اُن کی بیخ کنی کا موجب ثابت ہُوا ہے ہندوستان
کی ابتدائی تاریخیں تمہیں صاف صاف بتائینگی کہ ہندوؤں کی حکومت کو یک لخت
چشم زخم نہیں پہنچا بلکہ اس میں مدتیں صرف ہوئی ہیں پھر مغلیہ حکومت کے زوال
کو دیکھو کیا اِس حکومت کا خاکہ چند دنوں میں اور ناگہاں اُٹھا ہے۔ یہیں نہیں۔ مدتوں
سے اس کی خرابی کی بُنیاد دیس ہندوستان میں قائم ہو رہی تھیں اگرچہ بادشاہوں اور
عاملین کو اس کا کافی علم نہ تھا مگر جو لوگ واقعات سے پیشین گوئی کرنے کا مذاق رکھتے
تھے وہ سمجھ بیٹھے تھے کہ عنقریب ہی یہ ناؤ بحر ادبار میں ڈوبے گی۔ خیالات اور واقعات
سے پرے بہت ہی لطیف الجسم اور لطیف الحالت ہے جیسے روشنی سے پہلے روشنی
کرنے والے کو کئی ایک سامان کرنے پڑتے ہیں اور جب وہ روشنی ظہور میں آتی ہے
تو ناظرین پر اُس کی کرنیں یک لخت اثر کر جاتی ہیں یا جیسے آفتاب طلوع ہونے سے
پہلے ایک دُور دراز فاصلہ طے کرتا ہے اور لوگوں کو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ
ایک جھروکے سے سونا سو اُٹھ کر چلا آیا ہے ایسے ہی جب تبدیلی کے اسباب عام
ہو جاتے ہیں تو لوگوں کو سریع الحالت اور اجنبی معلوم دیتے ہیں ؎

حالانکہ اُن کا نفوذ اور حدوث مدت سے اُن میں ہو رہا ہے ہم جس زمین پر سوتے جاگتے
اور رہتے سہتے ہیں وہ برابر حرکت کرتی ہے مگر ہم کو اس کی حرکت محسوس نہیں ہوتی
ہاں جب ہم علمی اور حکیمانہ طریقوں اور اصولوں سے تحقیق کرتے ہیں تو ہمیں اس کی حرکت
غیر محسوس کو قبول اور تسلیم کرنا پڑتا ہے بعینہ یہی صورت غیر محسوس حرکات مجموعہ عالم کا

حال ہے ہمیشہ اس میں بُری اور بھلی تبدیلیوں کی حرکتیں ہوتی رہتی ہیں مگر لوگوں اور اجزائے
مجموعہ عالم کو محسوس نہیں ہوتیں ہاں جس وقت زمین کے زلزلوں کی طرح ایک زلزلہ آتا ہے
تو اس وقت لوگ قبول کرتے ہیں کہ ہاں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے اِس اسپیچ کے بعد
اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ انقلاب زمانہ سے کیا مراد ہے تو ہم یہ کہینگے کہ زمانہ کے
انقلاب سے صرف یہ مراد ہے کہ جب اس مجموعہ عالم خصوص انسانی جماعتوں کے خیالات
کی غیر محسوس تبدیلیاں یا حرکات بموج اور سرعت میں آجائیں اور عام طور پر اُن کو اکثر افراد
محسوس کریں تو اُس حالت کا نام زمانہ کا اثر یا گردش دہر ہے جب تک وہ سلسلہ غیر
محسوس حالت میں رہتی ہیں اُس وقت تک اُن کو کوئی نام نہیں دیا جاتا اور جب وہ
ظاہر وعلانیہ ہو جاتی ہیں تو انہیں ایک انقلاب یا اثر عظیم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے
اُس کی بیّن مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ انسان کے بدن میں جب تک ردی بخارات اور
مادوں کا زور اور کثرت نہیں ہوتی تب تک انسان ان مواد ردیہ سے واقف نہیں ہوتا
اور نہ انہیں محسوس کرتا ہے لیکن جب اُن کا جام لب ریز ہو کر اوچھلتا ہے تو ایک دفعہ ہی
امراض ردیہ کا ظہور اور لحوق ہو جاتا ہے اس وقت انسان خیال کرتا ہے کہ گویا وہ بیٹھے
بٹھائے ہی یک لخت ان امراض یا عوارض میں مبتلا ہوا ہے یہ اس کی کم اندیشی ہے یہ
ابتلا اور لحوق ناگہانی نہیں ہے مدتوں سے ہم لوگوں میں اجزہ ردیہ کا مواد جمع ہو ہو کر یہ
صورت پیدا ہوئی ہے یا جب انسان کو حالت صحت کی حاصل ہوتی ہے تو اس وقت
بھی ایک لخت ہی کایا پلٹ نہیں ہو جاتی بلکہ رفتہ رفتہ وہی بخارات اور مزمنہ مواد کا ازالہ
ہو ہو کر صحت کا وجود دکھائی دیتا ہے یہی حالت مجموعہ عالم کے خیالات کی تبدیلی او تغیر کی
کی ہے صدہا سالوں سے انقلاب کا قوام پکتا رہتا ہے اور پھر کہیں جا کر نئی صورتیں
ظاہر ہوتی ہیں ؛

احساس اثر ۔ یہ اثر بعض چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ غیر محسوس اور سبک ہے

کبھی کبھی صدیاں گزر جاتی ہیں کہ لوگ ان حالات اور رفتاروں کو محسوس نہیں کرتے اور کبھی کبھی صدی سے پہلے لوگوں کو ان کا علم اور آگاہی ہو جاتی ہے لیکن اس میں کوئی بھی شبہ اور شک نہیں کہ ان رفتاروں اور تغیرات کا علم کافی یک لخت ہی ہوتا ہے جب ان صورتوں کو لوگ محسوس کرتے ہیں تو تعجب کی نگاہوں سے انہیں دیکھ دیکھ کر یوں کہا کرتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا اور زمانہ کی چالیں کچھ اور ہی ہو گئیں اُن کا یہ تعجب اور حیرانی کسی قدر خود تعجب خیز ہے کیونکہ وہ جن جدید امور اور خیالات کو محسوس کرتے ہیں انہیں کے مجموعہ کا اثر اور جذبات ہیں اور اُن نئی تبدیلیوں کا وجود اُنہوں نے ہی قائم اور ثابت کیا ہے انسان کا یہ مستمرہ قاعدہ ہے کہ وہ کرتا سب کچھ آپ ہے اور الزام دوسروں کو دیتا ہے بالخصوص اُس وقت جبکہ وہ بعض صورتوں اور بعض امور کو تحقیر کی نگاہوں سے دیکھتا ہے اگر ہم مان بھی لیں کہ بعض افراد کی طبیعتیں یا خیالات اُن جدید صورتوں اور عوارض کے منافی اور مغائر ہوتی ہیں تو کوئی قباحت نہیں کیونکہ اس مجموعہ عالم کے اجزائے کبیرہ اور کثیرہ سے کلام ہے اگر ان میں سے کچھ صغیرہ اور قلیل چیزیں منتشر ہوں تو کوئی نقص نہیں عاید ہو سکتا جب ایک بدن میں صحیح یا ناقص مواد کا حدوث ہوتا ہے تو اس وقت یہ ضرور نہیں ہے کہ ہر ایک جزو میں اُن کا نفوذ ہو بلکہ یہی کافی ہے کہ معدہ یا دماغ میں اُن کا وجود اور سرائت پائی جائے جب مجموعہ کے اجزائے کبیرہ میں جدید خیالات کا نفوذ ہو گیا ہے تو اجزائے صغیرہ بھی اُن میں شامل ہیں یہ قول کہ ہم اُن اثروں اور تغیرات کو محسوس بھی نہیں کرتے ایک لفظی جواب ہے ہم سب کے سب اسی تبدیلیوں اور ایسے تغیرات کو خوبی و وضاحت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں یہ بات جدا ہے کہ ہم باوجود احساس کے ان کا اقرار اور اعتراف نہ کریں جب گرمی اور سردی کا دور دوراں ہوتا ہے تو اس وقت دونوں حالتیں اور تغیرات ہر ایک جسم پر مس کرتی ہیں لیکن اگر کوئی شخص باوجود حدوث کے ان تغیرات موسمی سے انکار ہی کئے چلے تو اس کو کن دلائل سے قائل کیا جا سکتا ہے انکار

اور یہ ایک ایسی مضبوط دلیل اور قاطع حجت ہے کہ اس کو کسی صورت میں بھی مناظرہ کے دلائل اور آلات سے توڑا ہی نہیں جا سکتا ۔

احساس اثر کا طریقہ۔ جب تک ایک نیا اثر اور نئی تبدیلی کلی میں رہتی ہے تب تک تمام مجموعہ اس کو نامحسوس حالتوں میں قبول یا رد کرتا ہے خود قبول کرنے والوں کو اس وقت کافی علم نہیں ہوتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور ہمارے خیالات کی باگ ڈور کن کے ہاتھوں میں چلی جا رہی ہے وہ ایک خاموشی کے ساتھ کل نئی صورتوں کو قبول یا رد کرتے ہیں لیکن جانتے نہیں کہ کیا ہو رہا ہے ہاں جب مواد پک جاتے ہیں تو اس وقت انہیں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا رخ بدل گیا ہے اگر ہم چاہیں کہ یک لخت واضح اور کھلے طور پر ان نئی تبدیلیوں اور جدید تغیرات سے لوگوں کی طبائع اور دلوں کو مانوس کر دیں تو یہ ایک مضرت ناک مسامحت ہے، اگر کوئی جدید گورنمنٹ کسی جدید مقبوضہ ملک اور قوم میں یک لخت ہی ایسے قوانین اور قواعد کو جاری کرنے کا عزم کر لے تو وہ ایک سخت مہلک غلطی کی پیروی کرے گی پہلے پہل اسی ملک اور قوم کے رواجوں اور خیالات کو مناسب طور پر قائم رکھا جاتا ہے لیکن رفتہ رفتہ ان کی طبیعتوں پر براہ لطائف الحیل نئی صورتوں اور جدید ترمیمات کی خوبیوں کو نقش کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہی قومیں اور اہل ملک خود بخود ہی ان تغیرات اور جدید صورتوں کی آؤ بھگت کو طیار ہوتے ہیں اس وقت ان کو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یک لخت ہی یہ کایا پلٹ کی ہے۔ نہیں نہیں یہ ان کی غلطی ہے یک لخت نہیں وقت کی تخم ریزی نے ان اجناس اور ان پودوں کو عرصہ دراز میں پیدا اور ظاہر کیا ہے ۔

زمانہ کی ترقی یا تنزل۔ ہمیشہ اعتبارًا یا مجازًا یہ کہا جاتا ہے کہ زمانہ کی حالت ترقی یا تنزل پر ہے لیکن اگر دریافت کیا جائے کہ کس چیز میں ترقی و تنزل ہو رہا ہے اور کس پر ان دونوں حالتوں کا اطلاق کیا جاتا ہے تو ایک حیرانی اور تذبذب سا پیدا ہوگا کیونکہ جس ذات پر اس ترقی یا تنزل کا اطلاق کیا جاتا ہے وہ درحقیقت ایک اعتباری حالت ہے ایسی

کوئی شک نہیں کہ طبعیات کی رو سے جو زمانہ بارات دن ہے وہ ضرور ایک حالت ہے۔ مگر کیا ہم اس کو اس مجموعہ عالم سے کوئی جدا طاقت خیال کر سکتے ہیں اور کیا حقیقتاً اس پر یہ اطلاق کیا جا سکتا ہے کہ وہ ترقی اور تنزل کر رہا ہے ہرگز نہیں جن مقادیر بر بروز رسنے ان کو مقرر کر رکھا ہے انہیں پر اُن کی رفتار ہے اگر آغاز دُنیا کے دن اور رات کو اس زمانہ کی دن اور رات اور اُس وقت کی چاندنی اور ظلمت اور دھوپ اور سایہ کو ان ایام کے ان کوائف سے مقابلہ کیا جاوے تو اُس میں کوئی بھی فرق نہ پایا جائیگا گو علم طبعی والوں نے اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آفتاب کی قوت اور کواکب میں کسی قدر کمزوری آتی جاتی ہے جس کے باعث وہ آخرکار ایک بلا نور حلقہ رہ جائیگا مگر اس حالت سے اُس ترقی اور تنزل کو کب سبب ہے جو زیر بحث ہے اور ہمیشہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ زمانہ ترقی کر رہا ہے اور اُس اطلاق کو اجزائے غیر متغیر سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ ایک بنیادی غلطی ہے اجزائے غیر متغیر سے کبھی ترقی اور تنزل کے کوائف کو متعلق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ اجزائے غیر متغیر کسی صورت میں ان دو مادوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ منسوب الیہ حقیقی خود وہی ہے جس نے مجازاً ایک دوسری ذات کو منسوب الیہ بنایا۔ وہی خود درحقیقت تنزل یا ترقی کے سبب کا حامل ہے دوسرا کون ایسا اور کون ایسی ذات ہے جس پر اطلاق ہو سکے اگر زمانہ کوئی اور ذات یا کوئی دوسرا وجود ہے تو اس کا وجود سوا اپنے ثابت تو کر کے دکھانا چاہیئے سالحق

دل طالب یار و یار در دل	جان در غم ہجر اوست و اصل
درماں در دست و درد در ماں	چوں حل کنم این و روی مشکل
گنجیم و طلسم و شاہ و درویش	در و صدف یم بحر و ساحل

جاناں خودیم جان و عالم
دلدار خودیم و مونس دل

اُس وقت کیا ہی تعجب اور حیرانگی ہوتی ہے جب زور سے کہا جاتا ہے کہ حضرت زمانہ ترقی یا تنزل کر رہا ہے زمانہ کی چال ٹیڑھی یا سیدھی ہے ان صاحبوں سے یہ سوال ہو جانا چاہئیے کہ یہ خطاب اور یہ اشارہ کس ذات شریف کی طرف ہے اُس کا مسکن اسی زمین کے اوپر ہے یا اندر ہے یا جوّا سماں ہر آخر اس کا نشان تو ضرور کوئی نہ کوئی ہونا چاہئیے نشان دینے کے وقت خطاب کرنے والوں پر بڑی ہی مشکل پڑیگی اُن کی نظروں میں کوئی پری اور کوئی دیوی نہ گزریگی پھر ثابت ہوگا کہ زمانہ کوئی علیٰحدہ ذات نہیں بلکہ ہم خود ہی زمانہ یعنی اُس مجموعۂ عالم کے اجزا ہیں اس وقت ہم ایک دوسرے کے سامنے ادب سے جھکینگے وہ ہمیں زمانہ کہیگا اور ہم اُسے ترقی یا تنزل کہینگے اور وہ ہمیں ان ناموں سے پُکاریگا پھر ہمیں یقین آ جائیگا کہ ہم خود ہی ترقی اور تنزل کے مواد ہیں کوئی دوسری ذات نہیں ہے +

جب اس مجموعۂ عالم کے اجزاے کثیر میں ترقی ہوتی ہے تو اس وقت کہا جاتا ہے کہ زمانہ ترقی کر رہا ہے اور جب اُس کے اجزاے کثیرہ میں تنزل ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ تنزل پر ہے غرض جو کچھ ہے اُسی مجموعہ عالم کی روشنوں سے اقتباس کیا جاتا ہے ورنہ اُس کے سواے اور کوئی ذات اور وجود نہیں کہ جسے اس ترقی اور تنزل کے بار کا حامل قرار دیا جاے اور اجزاے مجموعہ میں سے ایک حضرت انسان کی ذات ہے وہ وارث ہے کہ جس نے ترقی اور تنزل کے الفاظ کا بیڑہ اُٹھایا ہے اور اسی ذات سے ترقی اور تنزل کی بنیادیں قائم ہوئی ہیں اگر اس ذات والاصفات کو درمیان میں سے حرف غلط کی طرح باہر نکال دو تو نہ یہ زمانہ رہیگا اور نہ یہ ترقی اور تنزل کے خیالات +

من و جا ہیم و جاں و جانانہ — دل و دلدار و شمع و پروانہ
مہر و ماہیم و عاشق و معشوق — شاہ و دستور و گنج و ویرانہ

ترقی یا تنزل کی تصاویر اور منفذ - جس کو ترقی یا تنزل زمانہ کہا جاتا ہے۔ اور جس کی تشریح ہم نے اوپر کر دی ہے اُس کی تصاویر اور منافذ ایک اور محدود نہیں ہیں

جس طرح ایک دریا سے بیسیوں چشمے اور دہانے نکال کر ملک اور اراضیات کی آبپاشی اور سرسبزی کی جاتی ہے اسی طرح پر ایک مجموعۂ عالم میں سے بیسیوں ہی مختلف شاخیں قائم ہو ہو کر مختلف تماشے دکھا رہی ہیں کوئی کسی رنگ میں اور کوئی کسی میں کچھ مقدور اور حیثیت رکھتی ہے اور کوئی کچھ کسی کا کوئی منفذ ہے اور کسی کا کوئی۔ کوئی کسی راہ سے آئی ہے اور کوئی کسی سے۔ کسی کا کوئی وقت ہے اور کسی کا کوئی اس عقدے کے انکشاف اور وضاحت کے لئے ہم کو ضرور ہے کہ تاریخی اور واقعاتی مضمون کو اُلٹ پلٹ کر دیکھیں اور غور کریں کہ انسانی نسلوں کا اس وقت تک کیا حال اور کیا ڈھنگ رہا ہے اگر ہم غور کی نگاہوں سے اُن تغیرات اور واقعات کو دیکھینگے تو ہمیں کالشمس ظاہر ہو جائیگا کہ دُنیا کی قوموں اور ملکوں کی حالتیں ہمیشہ یکساں نہیں رہی ہیں اگر ایک قوم اور ایک ملک کو ترقی رہی ہے تو اُس کے مقابلہ میں دوسرا ملک یا دوسری قوم سرسبز اور شاداب نہیں رہی ہے پھر ایک ایسا وقت یا دور آیا ہے کہ وہ قوم ترقی یافتہ تنزل کے نشیبوں میں جاگزین ہو کر فراز سے جُدا ہو گئی ہے اور جو نسلیں نشیب میں تھیں یکایک بلندی میں سرفراز اور بلند پرواز ہو گئیں اگر اہل ہنود کی تاریخ کو دیکھو گے تو اُن کی ترقیات اور بلند پروازیوں پر گونہ حیرانی ہوگی مگر اب حیرت کی نگاہوں سے اُن کے تنزل اور ادبار کو بھی دیکھتے جاؤ جس قوم نے ساری دُنیا میں قریباً پاؤں پھیلائے تھے اب اُس کی تعداد ساری دُنیا میں چالیس لاکھ ہے جس کی حکومتیں چار دانگ پر تھیں اب اُن کو سر چھپانے اور رہنے کے واسطے ایسی زمین پر جس کو وہ کسی وقت اپنی ہی ملکیت خیال کرتے تھے بالشت بھر زمین نہیں ملتی جس ذلت اور جس خواری سے اُن کو اس وقت ریشین حدود سے نکال دیا جاتا ہے اور جس بیمروتی سے وہاں اُن کے ساتھ سلوک ہوتے ہیں اُس سے کیا کوئی یہ خیال کرسکتا ہے کہ دُنیا اور قومیں ایک حالت پر رہی ہیں یا کبھی آیندہ رہینگی اُس کے مقابلے میں عیسائی قوموں کو دیکھو کہ وہ کیا تھے اور کیا ہو گئے بعینہٖ ان قوموں کا

کا حال ویسا ہی تھا جیسے ہود کا اب ہے ان کو بھی زمین کے ٹکڑے پر آرام اور آسائش نہ تھی مگر اب خدا نے اُن کے دن پھیرے اور اُن کے خیالات و قیاسات میں روشنی نمودار ہوئی اور وہ اس روشنی میں گویا ساری دُنیا کے مالک بن گئے اب جو دُنیا اور چار دانگ میں اُن کا طوطی بول رہا ہے اوروں کو کہاں نصیب ۔ سچ ہے ھذا فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔ وہ یورپین جو جنگلوں میں وحشیوں کی طرح رہتے اور بسر کرتے تھے جن کو نہ تو بدن کا ہوش تھا اور نہ جسم کی خبر تھی نہ عقل رکھتے تھے وہ اب ساری دُنیا میں عقیل و علامہ خردمند و مامور سمجھے ہی نہیں جاتے بلکہ مسلم پایا جاتا ہے کہ وہ ساری دُنیا اور ساری نسلوں سے برتر اور فائق المراتب ہیں ۔ یونانی اور ہندو لوگوں کی دانائی اور علاّمہ فہمی اور بزرگی کس دل کی تختی اور کس قلب کی لوح پر منقش اور کندہ نہیں اپنے اپنے وقتوں اور زمانوں میں ان قوموں اور ان نسلوں کو جو ترقی اور عروج حاصل تھا وہی اب تک یادگار ہے اور دُنیا کے کوچوں اور گلیوں میں اُس کے آثار اور علامات کو عزت کے ساتھ تسلیم کیا جاتا ہے لیکن اب بھی وہی نسلیں اور وہی قومیں ہیں جو اپنی اعلے نسلوں اور بزرگوں کی یادگاروں کی تصویریں اور دلربا فوٹو کو دیکھ دیکھ کر روتی اور واویلا کرتی ہیں +

مسلمانوں کی قوم جس کا مرثیہ حالی نے پُر درد الفاظ اور دل شکن سوز میں پڑھا ہے چند ہی دنوں میں بڑھی اور پھلی پھولی اور چند ہی دنوں میں بعد اُس کے گل بوٹے اور پودے ایسے سوختہ ہوئے اور مرجھا گئے کہ اب اُس کے نام لیوا دل ہلانے والی آہوں اور آوازوں میں حسرتناک واویلا کر رہے ہیں کیا کسی کو یہ بھی یقین تھا کہ مسلمانی تصویر سے یہ جوبن رخصت ہو جائیگا اور وہ تصویر بالکل ڈھانچ کا ڈھانچ ہی باقی رہیگی +

اوروں کو کیا خود مسلمانوں کو ہی یہ یقین اور یہ خیال نہ تھا یہ تو دو چار قوموں اور دو چار فرقوں کا ہی حال اور کیفیت ہے اگر تاریخی واقعات کو شرح و بسط سے دیکھا جائیگا

تو اُس سے ہزاروں ہی اس قسم کے تغیرات اور تبدلات کا سُراغ ملیگا +
اب اس رام کہانی سننے کے بعد ناظرین کا یہ سوال ہوگا کہ یہ مفادیر اور یہ مختلف منافذ کیوں ہیں اور کیوں ایک قوم اور ایک مُلک ترقی کرتے کرتے بحر ادبار اور ذلت کی بھنور میں گرجاتا ہے اور کیوں جُدا جُدا قومیں جُدا گانہ مفادیر اور منافذ سے ترقی یا تنزل پاتی ہیں یہ تو تاریخی صفحات سے ثبوت ملتا ہے کہ تمام قوموں اور تمام ملکوں نے کبھی ایک وقت میں ترقی یا تنزل سے حصہ نہیں لیا ہر ایک کی ترقی اور تنزل کا وقت جُدا جُدا ہی رہا ہے اور جُدا جُدا مقادیر سے ہی حصہ لیتی رہی ہیں لیکن یہ راز نہیں کھلتا کہ اس اختلاف اور تضاد کا باعث اور حقیقی موجب کیا ہے +

اختلاف اوقات ترقی اور تنزل کا باعث ۔ اصول کے طور پر ہم اس امر کو تو مان لینگے کہ اس دُنیا میں جس قدر اختلاف مدارج ترقی اور تنزل کے پائے جاتے ہیں ان کے بواعث اُسی قوت اور اُسی اعلیٰ مرضی کے ید قدرت میں ہیں جس کو خُدا ۔ گاڈ ۔ اللہ ۔ پرمیشور ۔ سرب شکتیمان ۔ یا ایک ۔ قادر مطلق ۔ فعال لما یرید کہا جاتا ہے ۔ اگر ہم یہاں اس بکھیڑے اور اس مارک جھگڑے کو چھیڑیں تو ہم کو بہت سی اُلجھنوں میں پھنسنا ہوگا اور ایک ایسے کوچے میں جانا پڑیگا جہاں کے رسم و رواج کچھ اور ہی ہیں +
ہم نہیں چاہتے ہیں کہ ان بکھری راہوں اور کج منزلوں سے اپنے ناظرین تمکین کو تھکا کر یں گو ہم جانتے ہیں کہ یہی بکھری راہیں اور دور دراز منزلیں انسان کی اصلی طمانیت اور حقیقی خوشی کا باعث ہیں لیکن چونکہ یہ ہماری راگنی کسی اور سماں اور سُرتال میں جاتی ہے اس واسطے ہم کو لازم اور فرض ہے کہ اُسی سُرتال اور سماں کو نباہے جائیں اگر اس کو نبھا لیا اور یہ سُرتال پوری اُتری تو اس سماں اور رونق کو بھی دیکھ لینگے +
انسانی جماعتوں میں جب کبھی ترقی یا تنزل کی روحیں پھنکتی ہیں اور یہ موجیں اور یہ گھٹائیں تموج اور زور میں آتی ہیں تو اُس وقت سب سے اول انسانوں کے خیالات

اور طرزِ عمل میں فرق اور انقلاب آتا ہے اُسی انقلاب کا نام زمانہ کا انقلاب ہے۔ تنزل اُس
وقت ظہور پذیر ہوتا ہے جبکہ لوگوں کے خیالات میں تنزل اور ظلمت چھا جاتی ہے اور انسان
خود بخود اپنے ہاتھوں اور اپنی کرتوتوں سے انعام الٰہی اور الطاف ربانی کی بے قدری کرتا ہے
اور جو راہیں سہولت اور سُود مندی کی ہوتی ہیں اُن کو تمرد اور لغزش کے ساتھ چھوڑتا ہے
ایک مذہب کی کتاب میں آیا ہے کہ "خداوند کریم اُس وقت تک انسانوں سے اپنے انعام
واکرام کو واپس نہیں لیتا جب تک وہ خود ہی اُن کو واپس نہیں کرتے"۔ اس سے مراد
یہ ہے کہ جب تک انسانی جماعتیں خود ہی اپنی بے قدری اور تخریب نہیں کرتیں اور
خود ہی سُود مند اور نیک راہوں سے دور نہیں ہٹتیں تب تک قدرت بھی اُن کی
مخالفت نہیں کرتی ہے بلکہ تنبیہ اور مادرِ مہرباں کے طور پر اپنے فیوض اور اکرام کو متمردوں
اور لاپرواؤں سے بیزاری واپس لیتی ہے اور اُس وقت تک اُن اکرام اور احترامات
کو واپس نہیں دیتی کہ جب تک اُن کفرانِ نعمت کے مرتکبوں کی حالت تبدیل نہیں ہوتی
یا وہ اُس کی طرف رجوع نہیں لاتے تمرد اور سرکشی کی حالت میں پھر مکرر انہیں اکرام
اور احترامات کو واپس دینا ایک اور صورت ہے اور ابتدائی صورتوں میں فیضان کیا جانا
ایک اور حالت۔ گو خداوندی بارگاہ میں سے یوں بھی فیضان اور فضل ہو سکتا ہے مگر
قدرت کے اصول کچھ ایسی ہی روشوں پر قائم ہو چکے ہیں کہ تمرد و کفرانِ نعمت کی صورت
میں سزا اور تادیب کا سبق ضرور دیا جاتا ہے اور اگر اس قدر تادیب اور تنبیہ بھی نہ ہو تو
عبرت اور تنبیہ کسی کو نہیں ہوتی اور پھر ترقی کی قدر اور تنزل کا خوف کوئی موثر شے نہ ثابت
ہوگا حالانکہ دنیاوی انتظامات کے واسطے تادیب اور تنبیہ کا وجود ضروری اور لازمی ہے
اسی عبرت عام اور تنبیہ کے واسطے کچھ دنوں متمرد فرقوں اور لاپروا قوموں کو سبق دیا جاتا ہے
جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کو ایک خاص وقت پر جا کر ہوش آتا ہے اور وہ معلوم
کرتے ہیں کہ ہماری غفلتوں اور مدہوشیوں کا بھی نتیجہ ہونا چاہئے تھا اور اُنہیں

اس ردی حالت میں دیکھ اور سُن کر دوسری قومیں اور ہمسایہ نسلیں چوکس اور باہوش ہو جاتی ہیں اور اُن پاکیزہ اور راست راہوں کو لیتی ہیں جو راستی کی منزل کو جاتی ہیں اگر کوئی قوم اور کوئی نسل اپنے آپ کو نہ بگاڑتی اور اپنی سیدھی باتوں پر قائم رہتی تو قدرت اپنے فیضان کو نہ اُن سے بند کرتی اور نہ اُن کے ساتھ بُخل برتتی یہ ہماری ہی بدنیتیوں اور کرتوتوں کا ثمرہ اور پھل ہے کہ ہم اس حالت کو پہنچے ہیں۔ سچ ہے "انا سنت کبریاست"

جب ایک قوم ذلت میں گرتی ہے تو قدرت اُس فیضان الٰہی کے مقدس تاج کو دوسری قوم اور دوسری نسل کے سر پر رکھ دیتی ہے اور اُس کی پرانی لغزشوں اور گناہوں کو معاف کر کے پھر اُسے عروج اور عزت کا ڈپلومہ بخشتی ہے اُس وقت اُس قوم اور اُن نسلوں کے دماغ اور خیالات شُستہ اور پاکیزہ صورتوں میں نشو و نما پا کر دُنیا و مافیہا پر روشن ہوئے ہیں جب دوسری قوموں اور دوسری نسلوں کی اُن اعجوبہ روزگار پر نگاہیں پڑتی ہیں تو اُنہیں اپنا زمانہ یاد آ آ کر سخت رُلاتا اور شرمندہ کرتا ہے جب تک اُن ترقی یافتہ قوموں اور نسلوں کی عقلیں درست اور صحیح رہتی ہیں وہ برابر اُسی اعتدال کی حالت پر قائم رہتی ہیں اور اُس حالت میں قدرت کو بھی اُن سے کوئی پرخاش نہیں ہوتی پھر ایک ایسا زمانہ آتا ہے کہ اُن کی عقلیں اور شعور برگشتہ ہو کر خودی اور ناانصافی اور کمینہ پن کے دائرے میں آ کر خود رویاں کرنے لگتے ہیں اُس وقت معلم قدرت ضروری سمجھتا ہے کہ چشم نمائی اور تنبیہ کے واسطے کافی تادیب کرے کہ تم کیا تھے اور کیا ہو گئے اور اب کیا بننا چاہتے ہو اگر وہ سنبھل گئے تو بہتر ورنہ قدرتی کوڑا اکرام و احترام کے پرخچے اُڑا اُڑا کر دوسری دُنیا میں جا ڈالتا ہے جب یہ ادبار آتا ہے تو وہ قوم بھی تمام ترقیوں اور کمالات کو جواب دے کر اپنے طالع کو ادبار اور ذلت کے منحوس بُرج میں لے جاتی ہے پہلے تو دوسروں کو بدنام کر کے اپنے آپ کو پاک و صاف ظاہر کرتی ہے مگر آخر پر اسے خود ہی اپنے کرتبوں اور اپنی کرتوتوں کا حال کُھل جاتا ہے اور معلوم کر لیتی ہے کہ اوروں کا

کیا قصور اور قدرت کا کیا فتور ہے درحقیقت "ار ماست کہ بر ماست" +
اگرچہ قدرت کے دروازے سے ہر صبح اور شام کو یہ دلکش آواز اور سوتوں کو جگانے والی نیک صدا آتی ہے ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست

مگر اکثر قومیں نہ تو اسے سُنتی ہیں اور نہ اُس پر خیال کرتی ہیں وہ اپنی ہی اندھا دُھند اور مستی میں روتے اور ہنستے گزرتے جاتے ہیں یہ ہم لوگوں کی ہی لاپروائی اور حماقت کا اثر ہے اُس میں قدرت کو بدنام نہیں کیا جا سکتا قدرت نے اپنے فیضان میں سے ایک دفعہ کھُل کر حصہ دیا اور ہم لوگوں کو بلندی پر جا پہنچایا اور ہم نے بدمستیوں میں اُس فیضان کی کوئی قدر نہ کی گویا ہمیں جو سال اوڑھنے کے واسطے دی گئی تھی اُس کو ہم نے بجائے اس کے کہ خود اوڑھیں اپنی بیوقوفی سے کُتے پر اُڑھا دیا اس قسم کی وحشت اور بدمستی کو کیا قدرت دیکھ اور سہار سکتی ہے +

زمانہ سے موافقت۔ یہ ایک مشہور قول ہے۔ ع

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

مگر اس قول میں بھی زمانہ سے کوئی جدا طاقت مراد نہیں ہے صرف وہی مجموعۂ عالم مراد ہے اصل مطلب موافقت زمانہ کا یہ ہے کہ اگر مجموعۂ عالم یا اس مجموعۂ عالم کے اجزائے کثیرہ کے اغراض اور وسائط یا معمولات کا دستور جُدا ہو اور اُنہیں کو رونق اور ترقی ہو تو اُن لوگوں کو جو اُن کے خلاف چل رہے اور عمل کر رہے ہیں اُن کی موافقت ضروری ہے اگر وہ مجموعہ خود موافقت نہ کرے تو تمہیں خود ہی اُس کی حمایت میں آ جانا مناسب ہے کیونکہ اگر طریق سُود مندی کی پیروی نہ کی جائیگی تو منتشر لوگوں کو آخر کار ندامت اور ذلت ہی اُٹھانا پڑیگی لوگوں کو سفید اور عام چلن وہی پسندیدہ اور سُود مند ثابت ہوا کرتا ہے جس پر ایک جم غفیر کا اعتقاد اور عمل ہو۔ سکہ وہی بازار میں چلتا اور قیمت پاتا ہے جو مروج اور مان لیا گیا ہو جو لوگ

عمر رائج الوقت سکوں کو جیبوں میں لئے پھرتے ہیں وہ ایک ناپسندیدہ سودا کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو خود ہی گھاٹے میں ڈالتے ہیں دنیا میں صورتوں اور نقش و نگار کی اس قدر پرستش اور قدر نہیں ہوئی جس قدر لوگ چلن کو پوجتے ہیں جو لوگ ایسے وقت کے موجودہ چلنوں کو جن پر اور قومیں اور دیگر نسلیں اس کے ساتھ چلتی ہیں پسند نہیں کرتے وہ زمانہ کی موافقت سے دور اور مہجور ہیں وہ ایک ایسی راہ چلتے ہیں جو اوروں سے دور اور دوسروں سے غیر ہے وہ رہتے تو انگریزوں کی حکومت میں ہیں اور چاہتے ہیں کہ سکندر اعظم یا فیلقوس کے قوانین سے اپنے تنازعات کا فیصلہ کرائیں کیا اُن کی یہ خواہش کبھی پوری ہو سکتی ہے اور کیا اُن کو شور و فریاد کرنے سے کوئی داد مل سکتی ہے وہ لڑیں جھگڑیں اور شور کریں اُنہیں کوئی نہ پوچھیگا اور نہ کوئی داد دیگا اسی طرح اگر کشمیری یا پشتو بولی بولی جائے اور وہاں کے لوگوں سے ناگری میں خط و کتابت کی جائے یا عرب کے لوگوں سے بجائے عربی کے عام طور پر انگریزی الفاظ میں گفتگو کی جائے تو کیا مخاطب اور متکلم کو کچھ حاصل ہوگا ۔ ہم نہیں جانتے کہ ان صورتوں میں دونوں طرفوں کو سوا سر کھپائی کے اور کچھ لطف یا مطلب حاصل ہو اگر ان الفاظ سے مخاطبین اور متکلمین کو کوئی سودمند طریقہ ہاتھ لگ سکتا ہے تو عام چلن کی نفرت سے بھی ضرور ہی کوئی سود اور فائدہ مل رہتا ہوگا اور اگر ان طریقوں سے کچھ حصول نہیں ہوتا تو عام چلن کی مخالفت سے بھی سوا روسیاہی کے اور کیا ملتا ہے عام چلن ہی ہے جس کو دوسرے الفاظ میں زمانے کی چال کہا جاتا ہے عقل اور دوراندیشی سے اُس عام چلن کی تلاش اور جستجو کرو اور اُس کی موافقت سے وہ رتبے اور وہ مدارج حاصل کرو جو اوروں نے کئے ہیں خدا نے دوراندیشی اور حزم انسان کو صرف اِس واسطے عطا کیا ہے کہ اُن کے ذریعے سے نیکی بدی سودمندی اور نقصان میں تمیز اور فرق کیا جائے جو لوگ ان کمالات اور خواص سے یہ کام نہیں لیتے وہ چارپایوں کے اصول

زندگی بسر کرتے ہیں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہم دوسروں کے چلن کو کیونکر درست اور صحیح سمجھیں۔ اعتراض اُسی وقت تک طبیعتوں میں خلجان پیش کرتا ہے جب تک انسان اُس چلن کو دوسری آنکھوں اور ضرورت کے اصول سے بلا کسی تعصب کے غور سے نہ دیکھے اگر غور کرے تو بہت جلد واثر الزام ہو سکتا ہے اچھی اور نیک باتیں بھی بُری اور بیہودہ معلوم ہوتی ہیں جب اُن کو بُری نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ قوت خیال انسان کی قوت تمیزہ پر بہت عمدگی اور زور سے موثر ہے اور جب اُس کے ساتھ وہم کی قوت مشارکت کر لی ہے تو اس صورت میں تو اس میں ایک اور بھی بڑی اور سخت آفت آ جاتی ہے جب انسان یہ خیال اور یہ وہم ساتھ لے کر کسی چیز کو دیکھتا اور اُس پر غور کرتا ہے کہ یہ درست نہیں ہے تو اُسے ہمیشہ وہی دلائل اور وہی براہین سوجھتی ہیں جو نفی اور مخالفت میں ہوتی ہیں دماغ اور دل اُنہیں امور پر غور کرتا ہے جو تردید کے ہوتے ہیں تمیز حق و باطل کے واسطے دو نظریں حق و باطل کی چھوڑی جائیں تب کہیں جا کر صورت حق کا تماشا اور نظارہ نصیب ہوتا ہے اگر اندھوں کی طرح طرفداری کا عصا ہاتھ میں ہی رکھ کر ٹٹولا جائے تو اخفاء حق کی کوئی امید نہیں ہو سکتی ہے کہتے ہیں احول النظر ہمیشہ ایک چیز کو دو دیکھتا ہے یہی حال اُس شخص یا اُس محقق کا ہے جو گھر سے ہی تعصب یا طرفداری کی عینک لیکر کتاب حقائق کا مطالعہ کرتا ہے ایسے شخص کی تمام کوششیں لا حاصل ہیں تاوقتیکہ وہ ایک پہلو پر ہو کر حق کا تماشا نہ کرے +

خودی

ما آئینہ در نمد کشیدیم — دامن ز خودی خود کشیدیم
پرکار صفت بگرد نقطہ — خط بر سر نیک و بد کشیدیم

اپنے آپ کو انسان سمجھنا اور اپنی عزت آپ کرنا اور ان صورتوں کو پیدا کرنا جن سے

انسانی شرافت اور عزت اور احترام ثابت اور دوبالا ہو اور جس سے دین و دنیا دونوں میں عزت اور سرخروئی ہو تکبر اور خودی نہیں ہے کیونکہ انسان کو خدائے لایزال نے دیگر کل مخلوقات پر شرف و فضیلت بخشی ہے اگر انسان اُس نعمت کی قدر نہ کرے تو یہ اُس کی ناشکری ہے۔ خودی مٹانے کے یہ طریق اور اصول نہیں ہیں کہ شرف انسانیت اور کمال آدمیت ہی کو داغ لگا یا جاوے خودی کا مٹانا دل اور قدرتی اخلاق سے وابستہ اور متعلق ہے جو لوگ دُنیا اور کار ہائے دُنیا کو جواب دے کر الگ رہ کر خودی مٹاتے ہیں وہ دراصل ایک غلط راہ کی پیروی کرتے ہیں وہ اچھا اور موزوں طریقہ نہیں ہے وہ تو ایک کنارہ گزینی ہے اُس صورت میں تو خواہ مخواہ ہی خودی اور بلکہ شرف انسانی کا ستیاناس ہوگا اس میں کوئی بہادری اور جرأت نہیں ہے خودی اِس طرح پر نہیں مٹتی کہ انسان بھبوت اور خاک مل کر دُنیا و مافیہا سے الگ تھلک رہ کر عمر بسر کرے نہیں نہیں خودی اس طرح سے مٹتی ہے کہ دنیا ہی میں رہ کر اس کے جائز کاروبار کر کرا کر دل سے تکبر اور برائی کو مٹا یا جاوے ملک اور قوم اور انسانی جماعتوں کی خدمت کی جاوے دنیا کے خاندان اور اپنے ابنائے جنس کی بہبود اور بہتری میں حصہ لیا جاوے اپنے آپ کو سب قوم اور سب ملک اور کل بنی آدم کا خدمتگزار قرار دیکر کوئی فائدہ مند کام کیا جاوے نہ یہ کہ اپنی مفید قوتوں کو مار کر خودی ماری جاوے۔ خودی اس وقت مرتی ہے جب اپنی ذات کو کل کا خادم سمجھے اور مخلوق خُدا کے فائدوں اور بھلائی میں بلا کسی خاص خیال کے سعی اور کوشش کرے۔ جو لوگ اس اصول سے خودی کو مارتے اور اس پر غالب آتے ہیں واقعی وہ ایک بڑی بہادری اور شجاعت کا کارنمایاں کر کے انسانی جماعتوں کو مشکور اور ممنون بناتے ہیں وہ اس طرح سے اپنی خودی کو توڑتے ہیں اور خُدا اُن کے نام کو ہمیشہ تک قائم رکھتا ہے ؛

مساوات

غرقۂ بحرِ بیکراں مائیم　　گاہ موجیم وگاہ دریائیم

دُنیا میں دو قسم کے واقعات ہیں۔ ایک وہ جن کو بلحاظ اعتبارات کے مانا جاتا ہے اور ایک وہ جنہیں حقیقت کے اعتبار پر تسلیم کرتے ہیں ان دونوں میں فرق ہے۔ اس فرق کے انکشاف کے واسطے اعتبارات اور حقائق کا فرق ہی معلوم کر لینا کافی ہوگا

اعتبارات وہ ہیں جو ضروریات اور عوارضِ ملحقہ کی جہت سے ایک حقیقت کے علاوہ بامرِ تسلیم کے اور معمول بنائے جاتے ہیں اور اُن کا وجود زیادہ تر ضروریوں اور انتظامی حالات سے وابستہ ہوتا ہے حقائق کی حالت پر ان سے کوئی فرق نہیں آتا مگر تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اعتبارات ضرورتاً ایک حقیقت کے ماسوا مقرر کیئے جاتے ہیں۔ اور کبھی اگر حقائق کی نسبت بحث کی جائے تو اُن اعتبارات کو الگ اور جُدا رکھا جاتا ہے +

حقائق یا حقیقت وہ ہے جو بلا کسی اعتبار اور مفروضہ صورت کے ہو اور جس کی کوئی اصل اور جڑ ہو اور اگر اُس سے عوارضات اور کوائفِ ملحقہ کو الگ کیا جائے تو عین خالص اُسی کا وجود باقی رہے نہ تو اُس میں کوئی اعتباری حالت ہو۔ اور نہ کوئی فرضی واقعہ جس طرح پر نیچر اور قدرت نے حقیقت کی ہے اُس پر اُن کا یا اُس کا مدار ہو +

ایک حکیم سے دریافت کیا گیا تھا کہ دنیا کس کو کہتے ہیں یعنی اِس دُنیا کی حد اور تعریف کیا ہے حکیم حاذق اور دور اندیش نے جواب میں کہا کہ دُنیا صرف اعتبارات اور مفروضات کا نام ہے۔ لوگوں نے چند صورتیں اور حالتیں اعتبار کر رکھی ہیں اُن کا نام دُنیا ہے ورنہ دراصل اصول ایک ہی ہے۔ بقول اُس نامور حکیم مزاج کے اِس میں کوئی شبہ و شک نہیں کہ دُنیا چند مفروضہ صورتوں اور اعتبارات کا نام ہے۔ اگر اُن اعتبارات کو دُور کر دیا جائے تو باقی صرف ایک ہی ذات رہتی ہے جس کا کُل ظہور اور نقش ہے یہ اعتراض کیا

جا سکتا ہے کہ انتظام موجودہ سے پایا جاتا ہے کہ خود نیچر نے ہی مراتب اور مدارج کو قائم کر کے اُن اعتبارات اور مفروضات کی بنیاد قائم کی ہے۔ اگر نیچر کی طرف سے یہ اعتبارات نہ ہوتے تو اور کون پیدا کر سکتا تھا۔

یہ درست اور صحیح ہے کہ نیچر نے ہی مختلف مدارج اور مراتب کو بنایا اور اُن موجودہ اختلافات کی بنیاد رکھی ہے اُس سے کون انکار اور اعتراض کر سکتا ہے مگر اس توجیہ اور استدلال سے یہ تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اُن مفروضات اور اعتبارات کا حقائق میں یا دُنیا میں وجود نہیں ہے یا دُنیا والوں نے خود ہی اُن کی بنیاد نہیں رکھی۔ قدرت نے جن امور میں اِس دُنیا اور دُنیا والوں کو مختلف الحالت والحیثیت رکھا ہے وہ بھی گویا ایک قدرتی اعتبارات ہیں۔ اُن اعتبارات کا وجود بھی انتظام دُنیوی کے خاطر کیا گیا ہے باوجود اِس کے کہ قدرت یا نیچر نے ان اعتبارات کو قائم رکھ کر ایک وجود بخشا ہے مگر ہر ایک حقیقت اور ہر ایک اعتبار کو جُدا اور الگ ہی رکھا ہے۔ اگرچہ انسان اُس امتیاز اور افتراق پر غور کی نگاہیں نہیں ڈالتا مگر جن لوگوں کو خدا نے بصیرت کی نگاہیں دی ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ باوجود بوقلموں حالتوں اور رنگا رنگ ساوٹوں اور اختلافات کے بھی حقائق میں یکسوئی اور مساوات ہے۔ مدارج کے لحاظ سے اور اعتبارات کے قائم کرنے سے یکسوئی اور مساوات میں کوئی کمزوری یا فرق نہیں آ سکتا۔

دُنیا میں اعتبارات چند اور محدود نہیں ہیں بلکہ اُن کا کوئی شمار اور احصا نہیں مگر حقائق چند ہی ہیں اُنہیں چند سے چند ہزار صورتیں مخلوق اور مفروض ہیں جب کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ دُنیا میں اختلاف اور بوقلمونی ہے تو اُس کا مطلب یہ نہیں ہُوا کرتا کہ حقیقت میں بھی اختلاف اور بوقلمونی ہے بلکہ یہ کہ اعتبارات کے لحاظ سے مختلف اور بوقلموں ہے ورنہ حقائق میں وحدت یا مساوات ہی ہے۔ ایک پلٹن یا کیولری میں اگرچہ مختلف درجوں کے سردار اور سپاہی یا افسر ہوتے ہیں مگر باوجود اس کے پھر بھی

وہ ایک ہی قلم کے تابع ہوتے ہیں اور انہیں اُسی وجہ سے سلسلہ بافطرت میں گنا جاتا ہے
اُس سے سمجھ میں آتا ہے کہ روح کی اندرونی تفریق یا حجابات فرضی اور اعتباری ہے جس
عضو کو کسی کام اور ضرورت کے مناسب خیال کیا گیا ہے اُس پر اُس کو مقرر کیا گیا ہے۔
ورنہ در اصل اُن کا جاری کرنے والا ایک ہی قلم ہے اور باطن کے سب ارکان روحی کہلانے
کا حق رکھتے ہیں ۔

در دو عالم غیر یکے دانم نہ — غیر آں یک را یکے خوانم نہ

جس طرح ایک قوم کی حالت مختلف بھی ہے اور متحد بھی اسی طرح یہ ساری دنیا کا حال
ہے اگر سرسری نگاہوں سے اس بازار اور عجوبہ دنیا کا تماشا کرو گے تو رنگا رنگ اور انواع
و اقسام کے تماشے نظر آئیں گے اور اگر حقیقت کے خیال اور لحاظ سے آنکھیں کھول کر دیکھو
تو پتہ لگے گا کہ کوئی اختلاف اور تفریق نہیں ان اعتبارات اور مفروضات کی دیوار اُس وقت
خام اور بیکار ثابت ہوگی جس کہ قدرت اور فطرت کے مساوی برتاؤ اور طریق عمل پر نگاہ کی جاوے
جب تجربے کے عمل دائمی برابر کرتے ہیں تو یہ سارا طلسم کھل جاتا ہے کھل کیا کھلتا چور ہو کر
اصلیت نکل آتی ہے اس وقت حضرت انسان کو پتہ لگتا ہے کہ در حقیقت بات کچھ اور
ہی تھی لوگ تعجب اور حیرت کی نگاہوں سے بعد از قیاس طلسموں کو دیکھا کرتے ہیں مگر
افسوس ہے کہ انہیں اس ذاتی اور نفسی طلسم کی بابت کوئی خیال اور کوئی دلچسپی نہیں
ہے اگرچہ جس وقت یہ طلسم ٹوٹتا ہے اس وقت انہیں دوسری آنکھوں سے معلوم ہو جاتا
ہوگا کہ دنیا کے اعتبارات اور مفروضات کچھ اور ہیں اور حقیقت الامر کچھ اور ہے مگر
اُس وقت کی بصارت سے دھندلاپن دور ہو یا کس کام اور کس مصرف کا۔ بات تو تب تھی کہ
جب انہیں آنکھوں سے حقیقت کا تماشا اور نظارہ کرتے اور اس تماشا یا نظارہ کے بعد
یکسوئی اور یکجہتی کا عمل بھی کر کے دکھایا جاتا اس وقت جبکہ معاملہ دوسرے کے ہاتھوں
میں چلا جاتا ہے اور دیکھنے والی آنکھیں بالکل اور ہی چشم خانہ میں گردش کرتی ہیں اس

بتلانے کا کیا فائدہ ہے۔ وہاں کا ماننا اور دیدار اکھٹا اور سب ایک ہی جہان سے وہ تماشا نظارہ کرنے جا پہنچا اور یہی لطف رکھتا ہے اگر یہاں پر بھی انہیں نا ہونے والی آنکھوں سے وہ نظارہ کیا جاتا تو اس قدر رہتا ایسے اور ندی جو انسان کے قالب میں مقید ہو کر دنیا میں بدی کو پھیلاتی ہے اس کا نشان اور زندگی نہ پایا جاتا بلکہ کیا ہی ساری دنیا ایک اور سب افراد واحد الاغراض اور تمام وحدت سے سرشار دکھائی دینے پر غیرت اور حیرت نام کو بھی باقی نہ رہتی انسانیت کے جو معنی اور مفہوم ہیں ان کا بھی اس دنیا کی چار دیواری اور چار دانگ میں عمل دخل ہوتا ہے

گر ذات کند ظہور بے یار — نہ یار بماند و نہ اغیار
نہ جام بماند نہ بادہ — نہ مست بماند و نہ ہوشیار
چون معنی بن حجاب است — لطفی کن وان تا سہ بردار
از نفس نسیان خبر ندار
تا بند کسم کار بہ بکار

اس وقت اس دنیا اور انسانی جماعتوں میں جو انواع و اقسام کے فساد اور رنج و شقت دخیل ہو رہے ہیں اور اس کو انتشار و تفرقہ کر رہے ہیں اس کا اصل موجب وہی غفلت ہے جو انسانی مزاجوں میں ان اعتبارات سے پیدا کر رکھی ہے اگر انسانی آنکھوں سے اس غفلت کی پٹی اتر جائے تو اس کو ایک دم میں ہی ساری حقیقتیں اور کیفیتیں معلوم اور منکشف ہو کر ایسا نظارہ اور تماشا دکھا دیں۔ اس وقت معلوم ہو کہ جس کو وہ بیگانہ اور اپنا غیر خیال کرتا ہے وہ حقیقت میں اسی کا روپ اور وجود ہیں لوگوں نے فلسفہ کو بدنام کر رکھا ہے کہ وہ انسان کو غیر مانوس اور بدی کے راستوں پر لے جاتا اور مخلوق خدا کو گمراہ کرتا ہے حالانکہ فلسفہ ان بدیوں اور برائیوں کے راستوں کی ہمیں ہدایت نہیں کرتا بلکہ ہمارے ہی سمجھ کا قصور ہے کہ ہم اس سے بری راہیں پا لیتے ہیں وہ تو ہمیں اسی یک سوئی اور یک جہتی کی طرف

رہنمائی کرتا ہے یہ کاش ہمیں مرد ہدایت سے ہی سہرفے رہا ہے۔ اگر ہم سے پار بھتہ دریافت کیا جائے کہ قدرت ہمیں کیا رہنمائی کرتی ہے تو ہم یہ اشعار پڑھیں گے۔

ابیات

مائیم کہ ذاکریم و مذکور — مائیم کہ ناظریم و منظور

مائیم کہ ساجدیم و بندہ — مائیم کہ ناصریم و منصور

مائیم محیط و موج و زورق — مائیم گدا و شاہ و دستور

مائیم کہ زاہدیم و اوباش — مائیم کہ سرخوشیم و مخمور

مائیم ہمہ ولیکے نہ مائیم — مائیم کہ آدمی است مشہور

مائیم شراب و جام ساقی — مائیم حریف جاش و مسرور

این نکتہ و ر ندانی — مے دار بلطف خویش معذور

ان زریں اقوال سے ناظرین نے پایا ہو گا کہ در اصل یہ سارا کھیل ایک ہی ہے اور یہ ساری کتاب ہی ابجد اور ایک ہی ازلی قلم سے لکھی گئی ہے۔ ضرورتوں کے واسطے چند اعتبارات اور اشارات رکھے گئے ہیں اُن کا مدعا یہ تھا کہ لوگ انہیں مفہوموں پر ہی محمول کر کے اصل کو سمجھیں اور جستجو اور کوجواب دے کر اصل کو الف سے یے تلک حاصل کر یا در اصل ایک نعمت کفران نعمت اور نا شکری ہے اور اگر سچ پوچھو تو یہ اُسی کفران نعمت کی سامت ہے کہ ایک سے ساتھ ایک نہیں ملتا

وہ دن کیا ہی مبارک اور خوش نما ہو سکے گا جب انسانی تماشوں میں یکسوئی اور وحدت کا تماشا اور نظارا ہو گا اور دنیا اس کی خوش نما نظارگاہیں ٹپکیں گی۔ آمین

ابیات

ساقی قدح شراب دردہ — دل سوختہ را کباب دردہ

از پردۂ غیب روئے بنما — لطفے کن و بے حساب دردہ

اے عشق بدلسے بادشاہی   در ملک چو آفتاب دردہ

ما گم شدگان کوئے عشقیم

راہے بنما صواب دردہ

افسوس ہے کہ جو ہدایتیں ہمیں ادھر ادھر سے ملتی ہیں انہیں تو ہم محبت اور پیار کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں لیکن جو سبق ہمیں نیچر سے ملتا ہے وہ فضول بحثوں میں فراموش کر دیا جاتا ہے اگر نیچر کے سبقوں پر غور کیا جائے تو اس سے دنیا میں ایک امن اور سہولت پھیلتی ہے اور تمام قسم کی برائیاں دور ہو کر اس کی روح محیط ہوتی ہے نیچر ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہم انتظامی صورتوں کو مقدم رکھ کر اور سب امور میں مساوات کا خیال رکھیں۔ خود نیچر نے جو عمل کر کے دکھایا ہے اس میں بھی اسی سبق کا عملی ثبوت دیا گیا ہے۔

انسان کو اپنی ساری زندگی میں دو قدرتی عمل بلا کسی کمی اور تفریق کے دیکھنے پڑتے ہیں قدرت نے ان دونو اصولی عملوں میں انسان کو سکھایا ہے کہ وہاں اصولاً اور حقیقتاً مساوات کو ملحوظ رکھا گیا ہے اس زندگی میں جو نشیب و فراز ہیں وہ سب انتظامی ہیں یہ دو اصولی عمل پیدائش اور موت ہے۔ ان میں نیچر نے مساوات کے عمل کو بہت ہی خوبی کے ساتھ ثابت اور ظاہر کر کے دکھایا ہے اس سے دانا آدمیوں کو حکمتاً استدلال کرنا چاہیئے کہ قدرت نے حقیقت کے لحاظ سے مساوات کو پورے طور پر ثابت اور قائم رکھا ہے جب انتظامی ضرورتیں نہیں ہوتیں یا نہیں رہتیں تو اس وقت تمام عارضی تفاریق کو اٹھا دیا جاتا ہے انسان جب ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے اور اس دنیا کی کاروباری میں قدم رکھتا ہے تو اس وقت کی حالت سب انسانوں کے واسطے یکساں اور برابر ہوتی ہے جو طریق تولید ایک بادشاہ کے واسطے ہے وہی ایک غریب کے واسطے ہے علی ہذا القیاس جو طریق ایک سلطان وقت کے مرنے اور جان دینے کا ہے وہی طریقہ ایک عام آدمی کے واسطے مخصوص ہے مرنے کے بعد قبر یا مرگھٹ

کی ظاہری اور عارضی نمائشوں کے سوا جو حالت ایک شاہنشاہ کو نصیب ہوتی ہے وہ ایک مفلس کے حصہ میں آتی ہے مٹی اور مٹی کے کیڑے مکوڑے نہ تو بادشاہ کے نفس سے درگذر کرتے ہیں اور نہ غریب پر کچھ زیادہ دست درازی کرتے ہیں اُن کے لئے غریب اور امیر کا گوشت یکساں ہے بلکہ امیر کے گوشت اور پوست کو لذیذ ہونے کے باعث بہت خوشی اور لذت سے ہضم کیا جاتا ہے پیدائش اور موت کا فرشتہ جن ہاتھوں سے امیر کی پیدائش اور موت کے وقت کام لیتا ہے وہی ہاتھ اور وہی بقدرت غریب پر صاف کرتا ہے کیا کوئی امیر کہہ سکتا ہے کہ میں ایک خاص طریق پر موت کے فرشتہ کو جان دیتا ہوں یا میری پیدائش کا اصول دُنیا کے خلاف کچھ اور ہے اگر غور کی نگاہوں سے ان خاص حالات اور قدرتی پیمانوں کو دیکھا جائیگا تو ماننا پڑیگا کہ قدرت کی جانب سے ان اصولی عملوں اور حکموں میں کوئی فرق اور کوئی تفاوت نہیں رکھا گیا۔ کیا امیر کو جو بیماری ہوتی ہے یا امیر جن عارضوں اور امراض میں مبتلا ہوتا ہے ان میں غریب نہیں ہوتے یا کیا غریبوں کے مرض امیروں کو نہیں ہوتے۔ نہیں نہیں جب انسان اُس احکم الحاکمین کی بارگاہ عالیہ میں سربسجود ہوتا ہے تو اس وقت ایک ایسی مساوات کا نقشہ دلچسپی سے پیدا ہوتا ہے کہ کسی امیر اور غریب کو دم زدن کی سکت اور مجال نہیں ہوتی۔ بادشاہ سے لے کر ادنے رعایا تک اس کے پاک دروازہ پر عجز و نیاز سے گڑگڑاتا اور روتا ہے کیا اس وقت کوئی انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھ کو فلاں پر بڑائی اور عظمت حاصل ہے حاشا و کلا یہ خیال بھی نہیں گذرتا بلکہ ہر ایک اپنی ذلت اور خاکساری کو ثابت کرتا ہے۔ عبادت خانہ سے باہر نکل کر کوئی کچھ کہتا پھرے مگر دربار الٰہی میں تو ہر ایک کے ماتھے پر اپنا عبد الذلیل ہی لکھا ہوتا ہے جب انسان پر مصیبت آتی اور آفت ہاتھ صاف کرتی ہے تو اس وقت بھی کوئی مابہ الامتیاز نہیں رکھا جاتا امیروں اور غریبوں کے واسطے یکساں ہی نزول مصائب ہوتا ہے کیا اس وقت کوئی

امیرادہ کوئی غربت غربت اور امارت کی مسند" بسموں اور آشنوں سے رہائی ما سکتا ہے ہرگز نہیں علیٰ ہذالقیاس جب رحمت الٰہی کا دور دورہ آتا اور باران رحمت کا نزول ہوتا ہے تو اُس وقت بھی کوئی خاص خاندان اس مہربانی کے ساتھ مخصوص نہیں دیکھا جاتا ان عملوں اور قدرتی کوائف سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتوں کے اعتبار سے دنیا کو مساوات کا درجہ حاصل ہے ایک کو دوسرے پر برتری اور فوقیت کہیں ملحوظ نہیں دیا گیا ہاں انتظامی خیالات سے عارضی مراتب ضرور ملحوظ ہیں ہم یہیں صلاح دیتے کہ ان عارضی مراتب اور ضروری اعتبارات کو جواب دے کر دنیا کے کارخانے اور انتظام میں فتور اور گڑبڑ مبادی بنائے تھیں نہیں بہ مدعا نہیں علم اخلاق میں بیان یہ بحث کی گئی ہے کہ غرور انسانی اور رعونت یا تکبر ایک مہلک اخلاقی مرض ہے ہاں اس بحث سے یہی معنی مراد ہے کہ حقیقی اور اصولی مساواتوں کو بہرحال برقرار رکھا جائے جن لوگوں نے انسانوں کی خرید و فروخت اور رسم غلامی کی سد بندی اور انسداد پر زور دیا ہے اُن کا یہی اصول رہا ہے کہ جب کل انسانوں کو حقیقت کی رو سے برابری اور مساوات حاصل ہے تو پھر کیوں اور مساوی حقوق کو بلحت کرکے ایک گروہ کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ دوسرے نسلوں کو جانوروں کی طرح معرض بیع و شرا میں لا کر اُن کی خوشامد کرے +

ہرچہ داریم ما ز او داریم لاجرم جملہ را نکو داریم

دنیا میں نوعی حکومتوں اور سلطنت گورنمنٹوں کی بنیادیں جو رکھی گئی ہیں اور حقوق عباد کا جو زور شور یہاں اور روموں میں اُٹھتا ہے اس کا اصلی موجب یہی مساوات کے خیالات ہیں اس قدر غلطی اور سقم ضرور پیدا ہو گیا ہے کہ بعض دل جلوں اور رنجیدہ لوگوں نے دنیا کے انتظامی اصولوں اور ضروری مراتب اور تفاوت کو بھی اڑا کر ایک قسم کی بدامنی اور نامناسبت پیدا کر دی ہے یہ کوشش کرنا کہ دنیا کے وہ درجے اور مراتب

بھی کہ جو ذاتی مساعی کے اثر ہیں برابر اور یکساں ہو جائیں ایک سخت غلطی اور خطرناک ٹھوکر ہے اس قدر خیال تو ان کا ضروری اور قابل قدر تھا کہ جو لوگ اس دنیا میں مایوس الحالت ہیں اُن کی خبر گیری فارغ البال لوگوں پر لازمی قرار دی جائے مگر اس میں یہ غلطی اور سقم ہے کہ معدودے چند کے فائدوں کی خاطر ساری دُنیا میں ابتری اور بدامنی پھیلانے کا سامان اور دُنیا یا انسانی جماعتوں میں ناکارہ اور حرام خور ہونے کی بدعادت ڈالنے کی تخم ریزی کی جاتی ہے اگر غریبوں اور ناکارہ لوگوں کے واسطے مساوات اور اشتراک کا صیغہ جبراً کھولیں تو اس صورت میں ساری دُنیا کی یہی خواہش ہو گی کہ فارغ البال لوگوں کی روزی سے جبراً اور مستحق لوگ اپنا حصہ نکالیں یہ طریق عمل اور سود مندی کا قاعدہ بجائے فائدہ مند ہونے کے دنیا کے حق میں سخت نقصان رساں ہے اگر ابتدائی حالات اور برائیوں کے اسباب پر غور کی جائے تو پتہ لگتا ہے کہ اس وقت دُنیا میں جس قدر برائیاں اور بدیاں پائی جاتی ہیں اُن کا شروع یا نشوونما رحم آمیز باتوں سے ہوا ہے چوروں اور نقب زنوں یا اُٹھائی گیروں اور راہ زنوں نے اوروں کو خوش حال اور اپنے کو مادوف دیکھ کر اسی بات کا استدلال کیا کہ دُنیا میں سب لوگ مساوی ہیں دوسروں کو کیا حق اور فوقیت ہے کہ ہمارے مقابلہ میں آسودہ حال و فارغ البال ہوں ہم کو یہ حق حاصل ہے کہ اُن کی کمائیوں اور اندوختہ میں اپنا حصہ بجبرہ ثابت کر کے ہر ایک طرح سے مستفید ہوں +

اِس خیال کی مضبوطی اور صحت نے اِن لوگوں کو سب قسم کی دست درازیوں پر آمادہ کر دیا جس کا دُنیا کے حق میں آخر کار یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ سیکڑوں نسلیں اور ہزاروں روپیہ خراب اور مجرم ثابت ہو کر امن کی دشمن ثابت ہوئیں اگر اُن لوگوں کے دلوں میں یہ خیال نیکی اور رفع ضرورت کی راہوں سے داخل نہ ہوتا تو آج دنیا میں ان بدیوں اور برائیوں کا نام و نشان بھی نہ ہوتا +

اگر علمی اور عملی طور پر دلائل مساوات کے زور سے اس درجہ کو مان لیا جائے کہ ہر ایک

شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ دوسرے کے اموجحتہ میں اپنا حصّہ بجرہ کرے تو سنائد موجودہ دقتوں سے بھی بڑھ کر دقتیں اور دراںباں صفحۂ عالم پر نقش نظر آئینگی۔ اور بجاے اس کے کہ تمام لوگ یکساں حالت اور ایک ہی پلیٹ فارم پر آ جائیں وہ اندھا دھند مچیگا کہ الاماں یعنی مساوات کی غلطی سے یہ سب دقتیں اور برائیاں ناشی ہوسکتی ہیں اگر صحیح مفہوم اور حقیقی معنی پر مساوات سے فائدہ اُٹھایا جاے تو نہ یہ فساد پیدا ہونگی اور نہ کوئی بدامنی پھیلیگی۔ اگر یہ سوال کیا جاے کہ مساوات کے صحیح اصلی معنی کیا ہیں تو یہی جواب دیا جائیگا کہ حقیقی مساوات کو مدنظر رکھ کر دُنیا کے اعتبارات کی پیروی کی جاوے یہ وہی اصول ہے کہ جس کے پورا کرنے اور اسی سے دُنیا میں بجاے فساد اور دشمنی کے محبّت اور یگانگت پھیلتی اور ترقی پاتی ہے اگر اُن اعتبارات کو جواب دیا جاے تو اس دنیا کا کارخانہ ایک لحظہ بھی یہاں چل سکتا اور نہ صورت امن باقی رہ سکتی ہے +

وہ لوگ سخت غلطی پر ہیں کہ جو ان عارضی اور انتظامی تفریقات اور اعتبارات پر یقین کامل باندھ کر انسان کے فرائض اور حقائق کی تعظیم و تکریم کو ہاتھ سے کھو کر طرح طرح کے تعصبات اور ضدوں کے باعث ثابت ہوتے ہیں قوموں اور نسلوں میں ضد اور تعصب سے دُنیا کی بنیاد اُسی وقت اور اُسی حالت میں قائم ہوتی ہے کہ جب انسان اعتبارات کے طلسم میں گرفتار ہو کر روح حقیقت کو کھو دیتا ہے اور اپنی آنکھوں کو مساوات کے تماشے سے بند کر کے اختلافات کا شکار بنتا ہے +

نظر اور خیال

انسان اور حیوانات کے وجود میں اشیا محسوسات کو دیکھنے کے واسطے دو آنکھیں دی گئی ہیں ان دو آنکھوں کی ساخت نور کے اعتبار سے مختلف ہے انسانوں کی آنکھیں کسی اور طریق اور اصول پر مبنی ہیں اور اکثر حیوانات کی آنکھیں ایک جدا طرز

ہیں لیکن جن ضروریات کے واسطے اُن کو قدرت نے عطا کیا ہے وہ ہر ایک موسے حاصل اور پوری ہوتی ہیں +

خواہ انسان کی آنکھیں ہوں اور خواہ حیوانات کی اُن کی ساخت میں قدرت نے اعلیٰ درجے کی باریکیوں سے کام لیا ہے انسان کی آنکھوں کے چند اغشیہ ہوتے ہیں اور اُن میں ایک مردمک ہوتی ہے جس سے گویا بصارت کا خروج ہوتا رہتا ہے +

بصارت کو سمجھا گیا ہے کہ وہ بذاتہ ادراک اشیا کے واسطے کافی ہے گویا اُس کو بذاتہ مکمل خیال کیا گیا ہے اگر ہم غور کریں گے تو ہمیں ثابت ہو جائیگا کہ کوئی نظر کیسی ہی کامل ہو وہ اپنے چشم خانہ میں تو ضرور مکمل اور مستحکم ہوتی ہے مگر ادراک اشیا کے واسطے بذاتہ کافی نہیں ہوتی اُس کو بھی قدرت کی مددوں کی ضرورت رہتی ہے اس سے حکیموں کا یہ اور بھی ایک سند شدہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی ساخت نہیں کہ جو دوسروں کی معاونت کے سوا دنیا داروں کو کام دے سکے اور یہ اصول بھی اُس سے نکلتا ہے کہ دنیا کا ہر ایک کام اور ارادہ بغیر ایک دوسرے کی شرکت اور معاونت کے پورا نہیں ہوتا +

یہ ایک ایسا قطعی اور جامع اصول ہے کہ جو انسانوں کو اتفاق اور معاونت کیلئے دہر پر اُٹھاتا اور خبردار کرتا ہے گو انسانی آنکھیں بذاتہ ہر ایک طرح سے سالم ہوتی ہیں لیکن اگر آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں کی چمک دمک اشیا اور بصارت کے درمیان حائل نہ ہو تو ممکن نہیں کہ بصارت سے ہم کوئی کام لے سکیں جن کو ہم کیوں آسانی سے دیکھتے ہیں صرف اس واسطے کہ آفتاب کی شعاعوں اور کرنوں سے ہمیں امداد ملتی ہے دیکھو جس وقت آفتاب کے نور پر کوئی ابر حائل ہو جاتا ہے تو ہماری نگاہوں میں کیسی بے لطفی اور کمزوری عائد ہو کر ہمیں حیران کرتی ہے۔ آندھی چلنے سے ہم اشیا کو سہولت سے محسوس نہیں کر سکتے علاوہ اس کے جب روشنی کی شعاعیں تیز ہو جاتی ہیں تو اُن کی تیزی سے بھی بصارت میں کمی آ جاتی ہے گویا اس سے ثابت ہوا کہ ظلمت اور روشنی کی افراط تفریط بھی بصارت کی خارج ہے جیسا کہ ثابت ہوتی ہے

تو اُس وقت بھی سوائے روشنی کے بصارت میں وہ تیزی اور صفائی نہیں ہنی جو دن کو ہوتی ہے۔ رات میں یا تو ہمیں اُسمانی مدد کی ضرورت ہوتی ہے اور یا ہم خود ہی چراغوں کی روشنی سے کاربرآری کرتے ہیں اگر کسی وقت آنکھوں پر تھوڑا سا پردہ بھی آجائے تب بھی ایک سخت اندھیرا چھا جاتا ہے اور ہم گویا اپنی بصارت کو باوجود صحیح و سالم ہونے کے بالکل کھو بیٹھتے ہیں اگرچہ روز روشن بھی ہوتا ہے مگر ایک تھوڑا سا حجاب تمام اشیا کو انسان کی نظروں سے گم کر دیتا ہے۔

ہم ایک روشنی میں سب اشیا کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں مگر جوں ہی روشنی میں فرق آیا ہماری بصارت میں بھی دگرگونی چھانے لگی۔ رات کو ہمیں ایک دئیے کی روشنی میں ہر ایک وجود اچھی طرح سے دکھائی پڑتا ہے مگر جب دیا بجھ جاتا ہے تو ہاتھ کو ہاتھ بھی نظر نہیں آتا۔ ان نظائر سے پتہ لگتا ہے کہ بصارت دراصل بذاتہ کافی نہیں ہے اگر ان خارجی اشیا اور طاقتوں کی امداد نہ ہو ممکن نہیں کہ اجسام کا ادراک ہو سکے۔

یہ تو ہم نہیں کہتے کہ نظریں بذاتہ کافی نہیں ہیں یا اُن کو قدرت نے مکمل نہیں بنایا نظریں یا آنکھیں تو بذاتہ کافی اور مکمل ہیں مگر باوجود تکمیل کے اُس کا ادراک دوسرے وجودوں کا بھی محتاج ہے جب تک دوسرے وجودوں کی شرکت نہ ہو بصارت کافی ثابت نہیں ہوتی۔

اِن ظاہری معاونتوں کے سوا انسان کا خیال اور حافظہ بھی بصارت کا مددگار ثابت ہوتا ہے نظر یا آنکھ جس وقت اشکال کو دیکھتی اور محسوس کرتی ہے تو اُن کو فوراً خیال کے سپرد کرتی ہے خیال اُن اشکال مرتبہ کو قوت حافظہ کی امداد سے قابو کرتا اور یاد رکھتا ہے جب کبھی ضرورت ہوتی ہے اُس اشکال کو ہو بہو قوت خیالیہ آنکھوں کے سامنے لاکر پیش کرتی ہے اُس وقت انسان کو ظلمت میں بھی آنکھوں کے سامنے ایک وجود دکھائی دیتا ہے اور ایسا ہی ثابت ہوتا ہے کہ گویا وہ اُس وجود کو ہو بہو دیکھ رہا ہے۔ اسی ضرورت

کے سبب حکیموں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ انسان کو خیال کی صفائی میں بہت زور دینا چاہئے
کیونکہ اگر خیال میں صفائی ہوگی تو اُسے صور مرتبہ کے ارتسام میں کوئی دقت نہ ہوگی +

اثر خیال

انسان خاکی بُنیان کے واسطے اس دارِ دُنیا میں بہت سے سامان اور خیالات تو ایسے ہیں کہ جن سے اُس کی یہ چند روزہ زندگی آرام اور چین سے گزرتی ہے اور بہت سے ایسے نکمّے اور رد اور خیالات ہیں جن کا نتیجہ اُس کی زندگی پر ایک صاعقہ کا اثر رکھتا ہے ایک حکیم کا قول ہے کہ انسان کی زندگی دراصل خیالات پر ہی موقوف ہے اگر یہ صحیح نہ ہو تو اس میں کیا شک ہے کہ انسان کی ہستی پر خیالات کا اثر بہت ہی پڑتا ہے یا یوں کہو کہ ہر ایک شخص کی زندگی خیالات کے اثر پر گزرتی ہے شاید اس اثر او وجد کو عام لوگ محسوس نہ کریں مگر جو لوگ زندگی کی رفتار کو ہمیشہ غور کی نگاہوں سے محسوس کرتے ہیں اُنہیں ماننا پڑیگا کہ درحقیقت انسان کی حیات چندروزہ خیالات کے سہارے پر چلتی ہے اگر ان کا اثر اچھا ہے تو زندگی کی رفتار بھی عُمدہ ہے اور اگر اثر بد ہے تو زندگی بھی ایک عذاب میں بسر ہوگی +

ہر ایک واقعہ با حقیقت جو انسان پر وارد ہوتی ہے وہ ورود کے بعد گویا کالعدم ہو جاتی ہے لیکن اُس کا خیال اور اُس خیال کا اثر باقی رہتا ہے اگر ایک شخص ایک خاندان میں سے مرجاتا یا کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو وہ واقعہ وقوع کی حالت میں آکر فنا ہو جاتا ہے مگر جہاں وارد ہوا ہے اُس دائرہ میں اُس کے آثار اور یاد باقی رہتی ہے اس یاد کا نام اثر خیال ہے - یہ یاد یا اثر اصل واقعہ سے بھی زیادہ تر محسوس ہوتا ہے یہ احساس دونوں حالتوں خوشی اور غم میں وجود پذیر ہوتا ہے خوشی اور حصول مراد کی صورت میں بھی ایک اثر اور یاد باقی رہتی ہے اور غم کی حالتوں میں بھی اس کا اثر محسوس ہوتا رہتا ہے

دونوں صورتوں میں سے کوئی سی حالت ہو اُس پر زندگی کی رفتار قائم رہتی ہے خوشی اور خرمی کا اثر نور زندگی کے پودے با گلزار کو شاداب یا سرسبز کرتا ہے اور وہ گویا اُس کے حق میں ایک باران رحمت اور آب زلال ہو کر لگتا ہے لیکن بُرا اور مصیبت آمیز اثر ایسا ثابت ہوتا ہے جیسے ایک لہلہاتے اور سرسبز پودے کے واسطے چڑھتی جوانی میں گھُن اور ایک نوعمر نوجوان انسان کے لئے اُٹھتی جوانی میں عارضۂ دق یا سل۔ وہ خیال ایک گیلے کُندہ لکڑی کی طرح دل کی انگیٹھی میں دُھکتا رہتا ہے نہ تو اُس سے کوئی شعلہ نکلتا ہے کہ ایک ہی مرتبہ جل بل کر فیصلہ کرے اور نہ دل کھول کر دُخان یا دُھواں۔ اگرچہ انسان ظاہر حالت میں چلتا پھرتا اور کھاتا ہنستا دکھائی دیتا ہے اور لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو اچھا بھلا ہٹا کٹا پھر رہا ہے اسے ہُوا ہی کیا ہے لیکن اگر اس کا ماؤف یا محزون قلب کھول کر دیکھوگے تو پتہ لگ جائیگا کہ اُس میں سے ہر لمحہ ایک زہریلا دُھواں یا دُخان اُٹھ کر اُس کی زندگی کو کیسی گھبراہٹ اور اضطراب میں پھنساتا ہے اور اُسے دل ہی دل میں کیا کچھ سہنا پڑتا ہے بعض وقت انسان اس عجب حالت کو خود بھی طبیب کے سامنے انکشاف نہیں کر سکتا اور اس کو اشارات سے بتانا پڑتا ہے کہ ایسا اور ویسا ہے انہیں حالتوں سے انسان کو اختلاج قلب اور جگر کا عارضہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو ایک ایسی تنگی اور ضغطہ کی حالت میں پاتا ہے کہ گویا اس سے نکلنا خود اُسے ہی کمال مشکل دکھائی دیتا ہے حکیم یا طبیب لوگ قرص کافور اور شربت صندل وغیرہ بنا کر اُس مصیبت زدہ کا اطمینان کرتے ہیں لیکن صرف یہ ادویہ ہی ان کا مداوا نہیں ہیں بلکہ اس کو تفریح کا سامان بھی بہم پہنچانا ضروری اور لابدی ہے سب سے اول اس پر فرض ہے کہ وہ اُس اثر خیال سے بچنے کی کوشش کرے اگر وہ معاملہ یا واقعہ بالکل ہی ہاتھ سے نکل گیا ہو تو اس فقرہ سے اور کوئی فقرہ زیادہ تر ٹھیک اور مطابق علاج نہیں ہوگا "شد ہرچہ شد" اگر یہ فقرہ مریض کا معمول ہو جائے تو پھر چند ہی روز میں نہ تو وہ اختلاج رہیگا اور نہ اضطراب کیونکہ

بہ فقرہ اُس خیال کو طبیعت سے فراموش کرنے کی کوشش کرتا ہے اور رفتہ رفتہ انسان کو ایک ایسے دائرے پر لے آتا ہے کہ اُس کی طبیعت بالکل سنبھل جاتی ہے اور وہ ہوش میں آکر لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھتا ہے۔

قوتِ واہمہ

اگر انسان پر کوئی غیبی نوبتیں مستولے اور محیط ہو سکتی ہیں تو قوت واہمہ کا اثر بھی اُس پر کم نہیں پڑتا۔ انسان کی طاقتوں میں سے ایک طاقت وہم بھی ہے وہ جب حضرت انسان پر غالب ہوتی ہے تو اُسے ایسے ایسے شعبدے اور عجائبات دکھاتی ہے کہ انسان سچ مچ اُنہیں ایک خارجی اثر یا حقیقی وجود خیال کرنے لگتا ہے اور اُس میں ایسا محو اور دیوانہ ہوتا ہے کہ گویا ایک عرصہ کے لئے اُسی کا ہو جاتا ہے اور اُس کی دھن یا عشق میں وہمی آئینہ میں صدہا اور ہزاروں قسم کے عجائبات اور مخفیات کا تماشا کرتا ہے گو وہ تھوڑے عرصے کے بعد اپنے اِرد گرد سے اُس کی مخالف آوازیں اور صدائیں بھی سنتا ہے مگر پھر اُسی میں دیوانہ اور محو ہو جاتا ہے ہم سوال کر سکتے ہیں کہ کیا قدرت نے یہ قوت انسان کو اسی واسطے عطا کی ہے کہ وہ اس کے ہتکھنڈوں پر چڑھ کر دیوانگی ناحقوں کو اختیار کرے نہیں نہیں قدرت کا کوئی فعل یا عطیہ ایسی لغو غرضوں یا حرکتوں کے واسطے انسان کو نہیں دیا گیا یہ حضرت انسان کا اپنا عمل ہے کہ وہ اس عطیہ کو بے جا ڈھنگ سے استعمال کرتا ہے۔ قدرت کی غرض ایسی قوتوں کی خلقت سے نیک اور معقول ہے قوت واہمہ انسان کو اس واسطے تو نہیں دی گئی کہ وہ اُسے بھان متی کا تماشا دکھاتی رہے بلکہ اس واسطے کہ وقت اور موقع پر اُس کی حفاظت اور نگرانی کرے۔ انسان کو اس قوت واہمہ سے بھی جو فوائد حاصل ہوتے ہیں یہ بھی گویا اُس کی زندگی کا لازمہ ہیں۔ وہم کا خاصہ یہ ہے کہ وہ ایک شک اور بیرونی خیال کو گویا بمد بیشگی انسان کے پیش خاطر لاتا ہے اور انسان اُن معاملات

اور واقعات پر غور کرتا ہے جو اُس کو پیش آنے والے ہیں اور اس صورت میں وہ اسی شک پر اپنے واسطے ایک انتظام اور پیش بندی کر لیتا ہے گویا قوت واہمہ انسان کے واسطے ایک حفاظتی جھنڈی ہے جس کے ہلانے یا ہلنے سے اُسے ایک تنبیہ ہو جاتی ہے +

جس طرح پر قوت خیالیہ یا خوف انسان کو ایک ہوشیاری اور انتظام یا پیش بینی پر مستعد اور تیار کرتا ہے اسی طرح پر یہ واہمہ قوت بھی انسان کو ایک راہ دکھاتی ہے یہ ممکن نہیں کہ ہمیشہ کے واسطے ہی قوت واہمہ کی سبیہ ٹھیک ہی نکلے مگر اس میں کیا شک ہے کہ انسان میں ایک دوسری روح ہوشیاری کی تو ضرور ہی پھونک جاتی ہے اور انسان چونک کر ایک امر کی فکر میں پڑ جاتا ہے کیا اس قدر تنبیہ انسان کے لئے تھوڑی امداد ہے بعض دفعہ دیکھا گیا ہے کہ انسان جھٹ پٹ ایک وہم کرتا ہے اور وہ ہُو بہُو درست نکل آتا ہے اور اس وقت انسان کو انتظام کا موقع مل جاتا ہے لیکن اس سے زیادہ جب قوت وہم کو بالکل خود مختار ہی کر دیا جاتا ہے اور انسان اُس کے پھندے میں پھنس کر مجنوں اور دیوانہ ہو جاتا ہے تو وہی مفید قوت واہمہ ایک وبال جان اور دیوانگی ہو جاتی ہے +

انسان اس دیوانگی کے عالم میں وہم کی ناؤں کو ترقی کے مدارج پر پہنچا کر عالم بالا تک بھی لے جاتا ہے اور یہاں تک کہ یہی قوت واہمہ اُس کی اخلاقی دُنیا میں بھی خلل ڈال کر بُری طرح سے حکمرانی کرتی ہے اور اس حکمرانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان سوسائٹی سے بدظن اور سکی ہو کر طرح طرح کے غیر مفید اور نکمے خیالات کی پرستش کرنے لگتا ہے اسی حالت میں اس کی من موہنی دیبی وہی قوت واہمہ ہوتی ہے جو اُسے رنگ برنگ حالتوں میں لا کر دکھاتی ہے ایسا وہمی شخص یا پرستار وہم اُس حالت میں ساری دُنیا کو اپنا مخالف یا دیوانہ خیال کرتا ہے اور اُدھر سے دُنیا کے لوگ اُس کو دیوانہ سمجھتے ہیں۔ دنیا کے لوگ عقل و شعور سے فیصلہ کرتے ہیں اور وہ شخص اُسی وہم کی دیبی کو اپنا جج اور قاضی بناتا ہے سچ ہے انسان کے دل میں بھی بیسیوں ہی زہریلے سانپ پرورش پاتے ہیں +

خاکساری

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

لاہور پنجاب میں ایک اور فرقہ بنام خاکساران پیدا ہوا ہے چند ممبر اس میں اب تک شامل بھی ہوئے ہیں اگر واقعی مضمون اور مفہوم خاکساری سوچ سمجھ کر یہ ایجاد ہوئی ہے تو یہ انجمن مبارک ہے اور اگر صرف خاکساری ہی کو بھیس بنایا گیا ہے تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ مذہبی فرقوں اور شاخوں میں ایک اور نمبر بڑھا زبان اور قلم سے سب کچھ کہا اور لکھا جا سکتا ہے مگر عمل کرنا ایک اور ہی صورت ہے مبارک ہیں وہ لوگ جو عمل کرتے اور دیکھتے ہیں خاکساری ایک ایسا شریف وصف اور جوہر ہے کہ وہ ہر ایک انسان اور نیک شعار انسان کا ذاتی کمال اور وصف ہونا چاہیئے خاکساری کے مفہوم میں دُنیا میں اغلاطے دخل کر رکھا ہے اگرچہ خاکساری کا مفہوم اپنے معانی میں بہت ہی وسیع ہے مگر دُنیا میں اس کو بہت ہی محدود خیال کیا گیا ہے گروہوں میں تسلیم کیا جاتا ہے کہ خاکساری کا کوئی خاص رُوپ یا سروپ ہے خاکساری ایک قالب میں ڈھل کر حاصل ہوتی ہے اور اُس کو تصنّع سے ظاہر کرنا پڑتا ہے اُس کے واسطے ایک خاص ظرف ہے جو اُسی کے لئے موزوں ہے ✣

عموماً خاکساری کا مفہوم بہت تنگ مضمون میں لیا گیا ہے لوگ خیال کرتے ہیں کہ جو اشخاص ظاہری حالت میں شکستہ اور گرسنہ ہیں وہ خاکسار ہیں ظاہری حالت کے خراب اور پست ہونے کا نام خاکساری نہیں ہے۔ یہ ایک سخت مغالطہ ہے خاکساری سے وہ جوہر اور وہ وصف مراد ہے جو انسان کے دل سے نکلتا اور پیدا ہوتا ہے اگرچہ کوئی شخص دُنیا کے ظاہر مراتب اور مدارج میں راجہ اور نواب ہی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ خاکسار کہا جا سکتا ہے

اور اگرچہ کوئی شخص ظاہری حالت میں شکستہ حالت اور خراب ہی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ خاکساری کا وارث نہیں بن سکتا خاکساری ایک قلبی عمل کا نام ہے نہ کہ کسی ظاہری صورت کا جو لوگ محلوں اور عالی شان ایوانوں میں سکونت رکھتے ہیں ایک اعلیٰ درجے کے خاکسار ہو سکتے ہیں کیونکہ اُس کا دل اور روح خاکساری کو پیار کرتی ہے خلاف اس کے بہتیرے جھونپڑوں میں رہنے والے خاکسار نہیں ہوتے ظاہری صورتیں دل کی حالتوں پر کبھی شہادت نہیں دے سکتیں اور نہ اُن سے کچھ استدلال کیا جا سکتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ظاہر میں بالکل خاکسار دکھائی دیتا ہے مگر دراصل دل میں وہ خاکسار اور مسکین طبیعت نہیں ہے خاکساری کے جو صفات ہیں اُن میں سے اُس کو ذرہ بھر بھی نصیب نہیں وہ تو جانتا ہی نہیں کہ دراصل خاکساری کے شعار سے کیا مراد ہے خلاف اس کے ایک بڑی آب و تاب والے انسان کو دیکھو تو ہر حالت میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بہت ہی مغرور اور متکبر ہوگا مگر جب اس کے خیالات پر نظر پڑتی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ چمکتی ہوئی آگ میں سوزش اور جلن نہیں ہے بلکہ رحمت اور سردی ہے۔ اُس چمک میں ایک خالص اور شفاف روشنی ہے خاکساری دل سے متعلق ہے نہ کہ ظاہری حالت سے خاکساری کا اصول یہ ہے کہ دلی صفات اور جذبات پر انسان قابو حاصل کرے اگرچہ ظاہری حالت میں اس کو کیسا ہی جوبن اور شوخی حاصل ہو۔ نیکی دل سے تعلق رکھتی ہے اگر دل سے اُس کا لگاؤ اور تعلق نہیں ہے تو وہ ایک بناوٹ ہے اگرچہ ظاہر میں سیاہ کمل اوڑھا ہو لیکن اگر دل میں کوئی رعونت ہے تو عمل درست اور صحیح نہیں ہے اگر خاکسار بننا چاہتے ہو تو دل میں اُن اوصاف کو پیدا کرو اور اگر صرف نام کا شوق ہے تو پھر تمہارا اختیار ہے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو دل کے غریب ہیں ۔

کشتِ عمل

گفتہ بودم ترا کہ گندم کار　　چوں تو جو کاشتی بجو بدرو
ہرچہ کاری ہمانکہ برداری　　خواہ گندم بکار و خواہی جو

ایک بزرگ کا قول ہے جو بوتا ہے سو پاتا ہے۔ اور جو بوتا ہے سو کاٹتا ہے ایک دوسرا فلاسفر کہتا ہے جو بوؤ گے سو کاٹو گے جو دو گے سو لو گے ایک اور حکیم کا قول ہے کہ دنیا گنبد نما ہے اس میں جیسی صدا دیجائیگی ویسا ہی جواب ملیگا۔ یہ اُن بزرگوں کے قول ہیں جنھوں نے اس دنیا اور انسانی زندگی کا مختلف طریقوں اور اصولوں سے مشاہدہ اور مطالعہ کیا ہے۔ یہ اقوال صرف حالت جسمانی پر ہی صادق نہیں آتے بلکہ یہی حال انسان کے کشتِ عمل اخلاقی اور روحانی کا ہے کیا اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں مکروہ اعمال اور بُرے کام کریگا تو اس کو نیکیوں اور بھلائیوں کی اُمید رکھنی چاہئیے ہرگز نہیں ہمارے کشتِ عمل میں وہی فصل ہوگی جس کا تخم ڈالا گیا ہے اگر محنت اور عمل کے سوا کوئی اور اُمید رکھی جاتی ہے تو وہ ایک دیوانگی اور جنوں ہے ؎

تخم نیک و بدی کہ میکاری　　ہرچہ کاری ہمانکہ برداری
از بدی ہیچ سود نتواں یافت　　خود زیاں ہست در نکوکاری
دل میازار دل بدست آور　　گوش کن ایں نصیحت از یاری
موبمو بیت حساب خواہد بود　　ور چہ اندیشۂ چہ پنداری
تخم نیکی بکار و بد نہ گزار　　تخم ہائے بدی چہ میکاری
تو کہ در خواب غفلتی دائم　　چہ شناسی قصور بیداری
درد آزار گر بدانی تو　　خاطر بستۂ نیازاری
کار تو بند گیست اے سید　　عمر ضائع مکن بہ بیکاری

دوئی

درمذہب ما محب ومحبوب یکیست   رغبت چہ بود راغب ومرغوب یکیست

گویند مراکہ غیر او را مطلب

چہ جائے طلب طالب ومطلوب یکیست

اگر اصول پر نظر کریں تو ہم سب کے سب ایک ہی جڑ کی شاخیں ہیں اور ہمارا شروع ایک ہی تنہ سے ہوا ہے گو ہم اب مختلف نگاہوں میں متفرق اور جُدا جُدا دکھائی دیتے ہیں + اور اگر تفرقات افراد پر غور کریں تو کہینگے کہ ہم ایک دوسرے سے جُدا ہیں ۔ تاریخی واقعات کو پائے ووصرت ڈھانچ کے اعتبارات سے استدلال کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ ہم سب کے سب ایک ہی جڑ کی شاخیں ہیں ہمارے ہی خیالات اور حظوظ نفسانی نے امتیاز اور تفرقہ ڈال رکھا ہے ورنہ دراصل کوئی تفرقہ یا امتیاز نہیں ہے دُنیا کے کارخانے کے چلانے کے واسطے امتیازات کے اعتبار سے دوئی اور تفرقہ پایا جاتا ہے جہانتک دنیوی انتظامات کے واسطے مفید اور مناسب ہے وہاں تک ان امتیازات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے جب ان اعتبارات کا موقع جاتا رہے اور اخلاقی نسبتوں میں بحث ہو تو کسی قسم کی دوئی اور اختلاف ایک دوسرے سے رکھنا اور ایک دوسرے کو اپنا دشمن اور بدخواہ خیال کرنا اور اِس عنادخیالی پر ایک دوسرے کی تذلیل اور تخریب پر آمادہ ہونا بالکل خلاف انسانیت ہے جب ہم میں کوئی دوئی اور گنجائش اختلاف اصلیت کی نہیں ہے تو ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ طور پر پیش آؤ اور بکمال خلوص اور اتحاد سے چندروزہ حیات کو پورا کرو عناد اور اختلاف سے کیا ملتا اور کیا ہاتھ لگتا ہے ۔ دوئی کا مٹانا ایک اعلےٰ اخلاقی عمل ہے ؎

بگذار وجود در عدم ہم   بگذار حدوث را قدم ہم

در آب بشو کتاب معقول بشکن تو دوات را قلم ہم
آنجا کہ منم نہ صبح و نہ شام نہ روز و نہ شب نہ بیش و نہ کم

انسانی محبت

ما زنگ ز آئینہ زدودیم در آئینہ روے خود نمودیم

اگر دُنیا کے مختلف تاریخی حصّوں کو دیکھا جاے تو ثابت ہو جائیگا کہ اِس دُنیا نے کتنی ہی صورتوں میں تغیّر و تبدل قبول کئے ہیں گو کوئی مکمل تاریخ اس وقت انسانوں کے ہاتھ میں موجود نہیں ہے جس سے اس دنیا کے تمام تغیرات و تبدلات کا پتہ لگ سکے مگر باوجود اس کے اب بھی اس قدر مصالحہ اور سامان موجود ہے جس سے ایک رائے قائم کرنے کے واسطے جرات کی جاسکتی ہے اور ان نامکمل حالات اور تاریخی واقعات سے باوجود اس کم سرمایگی کے استدلال کے طور پر بہت کچھ اخذ اور اقتباس کیا جاسکتا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ گذشتہ ایام میں دُنیا اور دُنیا والوں نے کن کن حالتوں سے اپنے آپ کو اس حد تک پہنچایا ہے اور کس قدر اُلٹ پھیر سے وہ ان موجودہ منزلوں تک پہنچے ہیں۔ خیر ہمیں اِس نامکمل صورت اور ڈھانچ سے اِس قدر پتہ ملتا ہے کہ دنیا کے طبقوں میں اول اول یا بدو دنیا میں قوموں اور انسانی گروہوں میں صرف نسل انسانی کے اعتبار یا نام سے اتحاد یا توسل تھا جیسے اب بھی ایک انسان دوسرے انسان کو کبھی جنگل بیابان میں دیکھ کر خوش اور باغ باغ ہو جاتا ہے ایسے ہی جب انسانی جماعتیں نسل اور افراتفری کے اعتبار سے کم اور محدود تھیں اس زمانہ میں بھی صرف انسانیت کے اعتبار پر محبت اور انس تھا اُس زمانہ کی محبت اور اُنس خصوصیات اور خاص اعتبارات سے مخصوص یا منسوب نہ تھا اور نہ اس کے قائم کرنے کے واسطے بڑی بڑی قیود اور شرائط کی ضرورت تھی بلکہ اُس وقت صرف نیّت کو ہی اتحاد اور ملت برادرانہ کا موجب قرار دیا جاتا تھا

یہ مبارک زمانہ بہت مدت اور عرصہ دراز تک نہیں رہا بلکہ اس کی مدت چند ایام میں قائم رہ کر اور صورت پر تبدیلی ہوگئی۔ اس تبدیلی میں آب و ہوا اور اعدیاد و زمانوں کے اختلافات نے بہت کچھ حصہ لیا ہے جوں جوں انسانی نسلیں ایک ملک یا احاطہ سے نکل نکل کر دوسرے حصوں میں جا کر آباد ہوتی رہیں دوں دوں ان میں اور ان کی حرکات اور تعلقات میں انقلابات اور دگرگونی پیدا ہوتی رہی اگرچہ سب افراد اور ایک ہی خون اور ایک نسل اور سلسلہ سے تھے مگر ملکوں کی جداگانہ آب و ہوا اور تاثیروں نے بشریت کو چھوڑ کر اور سب امور اور خواص کو الٹ پلٹ کر دیا زبانوں کے اختلافات اور جدا جدا ملکوں کی ضروریات اور حوائج نے چند ہی صورتوں کو احاطہ اتحاد میں قائم رکھا اور وہی اغراض اور نتائج ہیں ورنہ جیسے ملکوں اور خطوں کی ہوائیں اور پانی مختلف اور جداگانہ تھیں ویسی ہی سب ضروریات اور مواد میں تفریق اور اختلافات کی روح پھونک گئیں اگر اس پہلی حالت کو ان حالات سے پہلے وقتوں میں بھی مقابلہ کیا جاتا تو انہیں قریب کی نسلوں کو معلوم اور ثابت ہو جاتا کہ دنیا کی جیتی ہوئی نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں رنگ بدلے ہیں اگر دنیا خود بھی رُخ پھیر کر اپنا آپ نظارہ کرے تو وہ بھی اس گرگٹی چولہ اور بہروپ کو دیکھ کر ششدر اور حیران رہ جائیگی۔

ہاں ایک امر سے اُسے ضرور حیرانی اور تعجب ہوگا کہ بدلنے کو تو سب رنگ بدلے مگر انسانی جامہ وہی رہا۔ بولیوں۔ زبانوں الفاظ۔ حروف۔ اشارات۔ اغذیہ وغیرہ سب میں تغیر اور تبدل نے دخل اور قبض کیا مگر جامہ انسانیت میں سرمو فرق نہ آیا۔ اور السنہ کے لحاظ سے چاہے کسی کو انگریز کہو اور کسی کو ہندوستانی اور افریقی اور خیالات کی وجہ سے چاہے کوئی مسلمان ہو اور کوئی عیسائی اور کوئی ہندو اور کوئی پارسی اور کوئی لامذہب مگر انسانیت کے اعتبار سے سب کے سب ایک ہی قالب کے نیچے آئینگے اگر دس پانچ ملکوں اور قوموں یا مذہبوں کے آدمی ایک پلیٹ فارم پر کھڑے کر کے دیکھا جائے تو سب کے سب انسان ہی نظر آئینگے اور ہمیں کہنا

پڑیگا کہ سب کے سب انسان ہی ہیں +

ہاں جس وقت اسی اپنی خصوصیتیں اور عادات جو گویا خود انسان کی ابتدائی اصلیت کا اندوختہ اور محصولات ہیں صرح بیان اور شہادت میں جلوہ افگن ہونگی اس وقت صرف ایک نہیں ہزاروں تفرقے اور امتیازات نکل آئینگے اس وقت ایک دوسرے کو عزت اعتبار اور خصوصیت سے دیکھیگا اور اس وقت ناظرین کو کہنا پڑیگا کہ وہ انگریز ہے اور وہ افریقن اور وہ ہندوستانی وہ مسلمان اور وہ عیسائی اور وہ اہل ہنود اور وہ انگریزی دان اور وہ ہندی خوان اور وہ یوربین اور وہ یوریشین اور وہ انڈین وہ امریکن یہ جس قدر اختلافات اور امتیازات دنیا میں داخل ہیں سب کے سب انسان کے خود ساختہ ہیں ۔

قدرت نے دنیا کے میدان میں انسان کو صرف ایک انسانیت کی حالت میں موجود کیا ہے اس کو دوسری خصوصیتوں اور کمالات سے کوئی خصوصیت نہیں بخشی انسان نے اس دنیا کے میدان میں ہوش و حواس سنبھال کر ان عارضی امتیازات اور خصوصیات کو پیدا کیا ہے ورنہ پہلے مصداق الانسان یولد علی فطرتہ +

ہر ایک انسان صاف اور پاک پیدا کیا گیا ہے جب انسان نشوونما پاتا اور دوسروں کو مختلف راستوں اور شوارع پر چلتے دیکھتا ہے تو کبھی اپنی تمیز سے اور کبھی تقلید سے کسی کی راہ اور خیال کی پیروی کر لیتا ہے دوسری صورت میں آب و ہوا اور زمانہ کی سرد و گرم واقعات وطنی حیثیت سے موثر ہوتے ہیں اگر انسان کو سوائے ان تصرفات عارضی کے دیکھا جائے تو وہ ایک معمولی انسان ہوگا اگر ایسا انسان دنیا کے میدان میں کھڑا ہو کر غور کرے اور سوچیگا تو اسے خود بخود ہی کہنا پڑیگا کہ میں ایک انسان ہوں مجھ سے ان تمام انسانوں سے بلا کسی خصوصیت اور دشمنی کے ملنا چاہئے اور ایسا ہی سب انسانوں کو مجھ سے ایک ایسا سا انسان خیال کرنا لازمی امر ہے ہاں اگر اس کے کانوں میں مختلف آوازیں پہنچائی جائیں تو ضرور اسکے خیالات یک سوئی کے دائرہ میں نہ رہینگے +

اگر یہ سوال کیا جاوے کہ انسان خصوصیات اور امتیازات سے آگاہی حاصل کر کے کیوں سخت دل اور متعصب ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تقلیدی امور ہمیشہ انسان پر بڑے سخت اثر کرتے ہیں جب انسان اپنے آپ کو ایک سلسلہ سے منوط اور مربوط پاتا ہے تو اس کے دل میں ایک قسم کی رحم اور غیرت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس پھر اور غلطی میں اصلی سلسلہ انسانیت کو جواب دے بیٹھتا ہے +

مختلف ملکوں کی آب و ہوا اور خصوصیات نے ضرور اپنا اثر کیا انسان ان تصرفات سے اپنے آپ کو بری نہیں رکھ سکتا کیونکہ جب مختلف اشیا اور قوے کا استعمال کیا جائیگا تو ضرور ان کے اثر منصہ ظہور میں جلوہ افگن ہونگے اگر انسانی جماعتوں میں اصول مشترکہ انسانیت کو ملحوظ رکھ کر ان تغیرات اور تبدیلات اور تصرفات یا ملکی تفاوتوں کو قبول کیا جائے تو کوئی قباحت اور برائی نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی رونق اور ترقی ہے کیونکہ اگر ایک باغ میں مختلف رنگ و بو کے پودے پائے جائیں تو کوئی برائی نہیں ہے باغوں کا یہ خاصہ نہیں ہے کہ ان کی مختلف کیاریوں میں رنگارنگ کے گل و بوٹے نہ ہوں ۔ ان کی خوبصورتی اور حسن اسی اختلاف میں ہے اگر باغوں میں ایک ہی قسم کے پودے ہوں تو وہ ایک جنگل ہوگا نہ کہ باغ +

انسانی جماعتوں میں جس قدر اختلافات اور تصرفات پائے جاتے ہیں ۔ وہ سب گویا انسانی نسلوں کی ایک عمدہ اور قابل یادگار اندوختہ ہیں +

انسانوں کے واسطے یہ کتنے بڑے فخر اور مباہات کی بات ہے کہ اس نے ایک صورت اور ایک زبان سے کتنی صورتیں اور کس قدر زبانیں حاصل کی ہیں انسانوں نے اپنی ضرورتوں اور حاجات کو خود ہی محسوس کیا اور خود ہی اپنے ذاتی زور سے ان تک رسائی حاصل کی ۔ اگر وہ ایک محدود خطہ سے اپنے اور گروہ کے دور دراز خطوں میں دوڑ نہ جاتا تو وہ گویا ایک ہی گھر کا مزید رہتا ۔ وہ ہوش سنبھالتے ہی دور دور

تک دوڑا اور خالص ہوا مختلف ہواؤں اور مختلف پانیوں نے اس پر بلیغ اثر کیا وہ
ان اثروں اور خصوصیات سے متاثر ہوکر رنگ اور بولیوں اور باتوں اور طور وطریق میں
پہلوں سے الگ ہوگیا رفتہ رفتہ اعتقادات اور خیالات میں بھی اس نے دوئی اور
دورنگی اختیار کی۔ یہاں تک کہ دنیا کے طبقوں میں انسان کی انہیں خصوصیات ملکی
اور خیالی کے اعتبار سے ایک نہیں بلکہ سینکڑوں ہی شقوں میں تقسیم ہوگئی یہاں تک کہ
جب کچھ عرصہ اور وقفہ کے بعد ایک نے دوسرے کو دیکھا تو سوا انسانیت کے اور سب
امور میں دوئی اور اختلاف پایا اور ناچار ایک دوسرے کو کہنا پڑا کہ ان اعتبارات کے
لحاظ سے ایک نہیں ہیں اس وقت بعضوں نے کہا کہ ہم ہندی ہیں اور بعضوں نے کہا
کہ ہم رومی اور ایرانی اور عربی ہیں اس پر پھر بعضوں نے کہا کہ ہم نصرانی ہیں اور ہم
اہل یہود اور بعضوں نے کہا کہ ہم ہندو ہیں اور بعضوں نے کہا کہ ہم پارسی اور مسلمان
ہیں +

ان میں سے بعضوں نے فلسفیت کی بڑ ہانکی اور بعضے صوفی اور ویدانت مشرب
بنے اور بعضے پولیٹیشن کہلائے اور بعضوں نے خدا سے لو لگائی غرضیکہ جس کی جیسی
طبیعت اور مادہ تھا اسی اعتبار سے حالت قبول کی۔ یہاں تک تو چال موزوں اور اچھی رہی
مگر جب نفس امارہ نے دخل دیا اور تنافر اور خودغرضیاں بھی آ شامل ہوئیں پھر یہ سودا ہوا
کہ ہم سب سے برتر اور فائق ہیں۔ دوسرے کام ہم سے ہیٹے اور کم ہیں طبائع نے ان
خودغرضیوں پر زور دیا۔ ان خودغرضیوں کو اور کب مانتے تھے وہ اپنی جگہ اکڑے آخر کار
منافرت کی بنیاد قائم ہوگئی برادرانہ طریقے دوسری عدم کی دنیا میں فریاد کر کے چل بسے
پھر تو یہاں تک نفرت اور باہمی بیزاری کو رونق اور ترقی ہوئی کہ خیالی حاکموں اور وضعی
منصوبوں نے انسانیت کو بالائے طاق رکھ کر ایک اور ہی کائنات قائم کر دکھائی جس کو
فرضی فلسفہ کہنا چاہیئے۔ اس نے تمام قسم کے نئے فرقوں اور مخالفتوں کو ایک دائرہ

میں جمع کرکے دکھا دیا اس خوفناک زمانہ سے وہ وائض یا ضروریات جنہیں انسانیت کا خاصہ کہا جاتا ہے رفتہ رفتہ کم ہونی شروع ہوئیں گو دنیا کے طبقہ سے انسانیت کا وزن اور قدر کرنے والے لوگ بالکل ہی دور اور معدوم نہیں ہو چکے مگر پھر بھی کثرت انہیں گروہوں کو رہی جو ایک کو دوسرے سے بالکل مغائر اور جدا سمجھتے تھے اس آفت جرعروج کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا اور انسانوں میں مختلف منافسے اور لڑائیاں قائم ہو کر قطعی جدائی پیدا ہوگئی ۔

نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں انسانی نسلیں اونٹ اور دل کے ساتھ دنیا کے میدان سے مایوسی کے ساتھ رخصت ہوئیں اور انسانوں میں ہمیشہ کے لئے منافست اور مخالفت قائم ہوگئی جو اب تک ملکوں اور قوموں کو نابود اور فنا کر رہی ہے اور معلوم نہیں کہ کب تک یہ جاری رہیگی ۔ دنیا کے امن اور واقعی انتظام کے واسطے ضرور نہیں کہ ان اختلافات کے زائل یا دور کرنے کی کوشش کی جائے کیونکہ جو اختلافات اس وقت دنیا میں موجود ہیں در اصل یہ دوسرے معنوں میں ایک مصدا تر اور رحمت ہیں دنیا کی ترقی اور افزونی بھی اس صورت میں ممکن ہے جب یہ اختلافات ضرور یہ موجود ہوں ضرورت اس بات کی ہے کہ اصلیت اور حقیقت کا انکشاف کیا جائے اور اس اصلیت یا حقیقت کو قائم اور ملحوظ رکھ کر ان تمام اختلافوں اور امتیازات کو خوشی کے ساتھ قائم رہنے دیا جائے یہی ایک اصول ہے جو امن اور آسائش کا حامی ثابت ہو سکتا ہے اگر ہم یہ کوشش کرنا چاہیں کہ تمام انسانی نسلوں کے خیالات اور ارادے میں یکسوئی اور یک جنسی کی روح آجائے اور سب کے سب ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع ہوں تو یہ بہت ہی دشوار اور مشکل ہوگا کیونکہ ایسا ہونے کی خواہش کرنا قدرت اور لازوال نیچر کو شکست دینے کی آرزو کرنا ہے کل انسانوں کو ایک ہونا تو درکنار ایک انسان بھی اپنے خیالات میں یکسوئی نہیں حاصل کرسکتا صبح کچھ ہوتا ہے اور رات کچھ انسان اپنے دل اور

قوت خیالیہ ہر روزمرہ کچھ دیر اگر غور کیا کرے تو اسے پتہ لگ جائیگا کہ وہ دن کے حصول میں کتنی دفعہ اپنے آپ سے جنگ و جدل کرتا ہے اور کتنی دفعہ وہ اپنے آپ ہی پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اگر انسان ان اندرونی حملوں اور جنگ و جدل کو دیکھیگا تو وہ حیران ہی نہیں بلکہ دیوانہ ہوکر کہیگا کہ اُسے کسی بات پر بھی ثبات اور دوام نہیں اگر یہ انسان ان اندرونی مخاصمتوں اور منافستوں کا اظہار نہ کرے مگر وہ خود خوب جانتا ہے کہ معاملہ کہاں تک کھینچ چکا ہے ہر ایک انسان کی اندرونی جنگ و جدل کا نقشہ اور یہ حال ہے تو غیروں کے ساتھ اُن کا اتحاد کلّی ہو یا کس دلیل اور کس عقل سے ان کا بعد تسلیم کیا جائے جب کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو فلاں سے اتفاق یا اتحاد ہے تو اُس کا مفہوم ہمیشہ یہ ہوگا کہ ایک یا بعض امور اور بعض مواد میں نہ کہ کُلّیات میں کیونکہ کلیات میں تو انسان کو خود ہی کُلّی طور پر اتحاد اور اتفاق نہیں دوسروں سے کیا ہو یا کیا جا سکتا ہے۔ جب کبھی یہ آرزو کیجاتی ہے کہ تمام انسانی جماعتوں میں اتفاق اور اتحاد ہو تو اس سے اُن کلیات میں جن سے دنیاداری کا سلسلہ امن و امان سے چلتا رہے اتحاد مطلوب ہوتا ہے؛

اگر کلیات میں انسانی جماعتوں کا اتحاد اور اتفاق رہے تو سمجھ لیا جائے گا گویا ہر ایک امر میں یکسوئی اور اتحاد حاصل ہے اب یہ بحث پیدا ہوگی کہ کُلیات کیا ہیں اور اُن کی تعریف کیا ہے ہم کلیات کو ایک عام فہم اور موٹی تعریف سے معرف کرینگے جس سے کوئی وہم اور شک نہ پیدا ہو۔ کُلیات وہ ہیں جن کے اتحاد سے انسانی مخترعانہ اور فرضی خیالات میں نہ تو کوئی دست اندازی ہو اور نہ وہ اُن پر حملہ آور ہوں اور وہ امن دنیا کی امن اور آسائش کے لئے ایک کامل اور واقعی ذریعہ ہوں اور جن کی بنیاد قدرتی مواد اور فطرتی اسباب سے ہو +

اگر ہم غور کی نگاہوں سے دیکھینگے تو ہمیں پتہ لگ جائیگا کہ ایسے کلیات اور مواد ہمارے پاس بھی موجود ہیں کہ اگر اُن پر اصول کے لحاظ سے عمل کیا جائے تو عام امن اور

عام آسائش حاصل ہو سکتی ہے ہم ایک ایسا محفوظ اور سالم کُلیہ پیش کرینگے جس سے کسی از منہ کی جماعت کی بندشوں اور مفروضات میں انقلاب نہیں آسکتا۔ ہر ایک انسان اُس کُلیہ کو تسلیم کر کے اپنے مفروضہ پر ثابت اور قائم رہ سکتا ہے اگر ہم یہ خواہش اور یہ آرزو کریں کہ دُنیا یا انسانی جماعتوں میں سے تضاد خیالات اور متخالف قیاسات کا اُٹھ جاوے تو یہ ایک لغو حرکت اور بیہودہ خیال ہوگا ہر ایک شخص ہندو ہونے کی حالت میں تمام ہندوؤں کی تعظیم پر زور دے سکتا ہے علےٰ ھذا القیاس ہر ایک مذہب والوں کو ایسا اختیار حاصل ہے اور ایسے ہی ایک لامذہب اور دہریہ کو بھی یہ حق مل سکتا ہے ایک قوم کہہ سکتی ہے کہ میرے حقوق بالمقابل فلاں قوم کے لائق اور بالاتر ہیں اور دوسری قوم آدمیت اور دلائل سے اس کا جواب یا دفعیہ کر سکتی ہے اگر ان اختیارات سے لوگوں کو روکا جاوے تو گویا خیالات پر ایک پہرہ بٹھایا اور پاسبانی کرنا ہے جو ممکن الوقوع نہیں کیونکہ اگر اس پاسبانی سے حالت اظہار میں فرق اور کمزوری نمودار ہوگی تو اندرونی حالت اور کشمکش کو کون روک اور بند کر سکتا ہے۔ ہر ایک شخص اور ہر ایک فرقہ اور ہر ایک جماعت کو کھلے بندوں اختیار اور قدرت ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے خیالات کا امن کے ساتھ افشا اور اشاعت کرے اور اُن کی تعظیم اور بزرگی کے اثبات میں تمدنی دلائل اور براہین و قدرت و جبروت سے کام لے ✦

انسانی جماعتوں اور لوگوں سے یہ درخواست کرنا کہ تم اپنے خیالات کا اظہار نہ کرو اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اُس کو دلوں میں ہی رکھو ایک بزدلانہ عہد اور شرط ہے اظہار اور عام اشاعت سے کیوں خوف اور کیوں ڈر کیا جاتا ہے۔ دُنیا ایک پر رونق منڈی ہے جہاں ہر ایک قسم کا سرمایہ اور سامان اور اسباب فروخت کو رکھا جاتا ہے۔ خریداروں کی کثرت ہے جو مال اچھا ثابت ہوگا وہی گاہک کی نظروں اور نگاہوں میں جچے گا دوسرے دوکانداروں اور سوداگروں کو اس کا کیا خوف ہے اُن کو بھی اوروں کی طرح مال کی

عمدگی اور صفائی میں کوشش کرنی لازم ہے گاہکوں پر نظر بندی نہیں کی جا سکتی اور نہ اُن کو کہا جا سکتا ہے کہ تم فلاں فلاں دکان پر نہ جاؤ یا اُن کا مال نہ خریدو کوئی گاہک اِس حکم میں نہیں آ سکتا ہے اور نہ کسی جان پر بہ جبر روا رکھا جا سکتا ہے ملک کی دکانوں کے در اور پھاٹک کُھلے پڑے ہیں گاہکوں کو اختیار ہے جہاں سے چاہیں سودا خریدیں +

اِس دُنیا کی پر رونق منڈی میں کوئی دُکان کسی خریدار اور گاہک کی آنکھ کو یہ نہیں کہہ سکتی کہ تو اُس دُکان یا اُس سودا کو نہ دیکھ یا وہاں نہ جا۔ ہر ایک آنکھ ہر ایک چیز کو اور ہر ایک اسباب کو خوشی کے ساتھ دیکھ سکتی ہے اور جو اُس کی مرضی اور والسے میں آسے خرید اور لے سکتی ہے سوودوں اور چیزوں کا ساحنوں میں مقناطیسی اثر ہو جائے کہ وہ راہ جاتے خریداروں کو اپنی جانب کھینچ کریں جبر جو ایسا اثر اور جذب نہیں رکھتی در اصل اس کا اپنا قصور ہے خریدار تنگ چشم نہیں بلکہ وہ خود محدود دائرے میں ہے اور اگر وہ خود محدود دائرے میں نہیں ہے تو اگر وہ گاہک نہیں تو اور بیسیوں گاہک اُس کے مشتاق اور دیوانہ ثابت ہونگے اُسے صبر اور تحمل کے ساتھ اپنے مشتاقوں اور دیوانوں کی راہ تکنی اور دیکھنی چاہئیے ہاں اگر وہ دوسری دُکانوں کو ناموس اور بند کرا کر اپنی گرم بازاری اور گاہکی چاہے تو یہ اُس کی حرکت بُزدلانہ اور کم ہمتی ہے +

جہاں قوموں اور انسانی جماعتوں کی تفریق خیالات اور معلومات کی خصوصیات پر موضوع ہے وہاں عام حکومتوں یا قومی اقتدارات کے اعتبار پر بھی نظم و نسق ہے جیسے تفریق خیالات کی وجہ سے خصوصیت قائم ہوتی ہے ویسے ہی حکومتی اقتدارات سے بھی امن میں انقلاب اور گردش آتی ہے حکومتوں کا بکھیڑا اور جھگڑا اگرچہ ابتدائی زمانوں میں بہت وسیع تھا مگر اب تو وہ صلاحیت کے ساتھ خوفناک اُصولوں سے سکڑ کر جمہور کی طرف عود کرتا چلا آتا ہے اب حکومتوں میں شخصی رایوں کو احترام اور عزت کی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ مجتمعہ رایوں کی عزت اور حرمت کی جاتی ہے اس

خیال اور روش سے ہمیں حکومتی نسبتوں سے درگزر کر کے سوشل اور امن کی صورتوں کو دیکھنا چاہیئے جہاں سوشل اور عام امن کی صورتیں ملتی اور حاصل ہوتی ہیں وہاں حکومتی نقص خود بخود ہی اصلاح پذیر ہو جاتے ہیں اور اُس زمانے میں حکومتوں کو بھی ایک مشترکہ کمانتہ قیاس کیا جاتا ہے یہ حکومتی اور حالی امن و امانُ اس حالت اور اس صورت میں ظاہر اور صورت پذیر ہو سکتے ہیں جب کلیات میں استحکام اور استواری ہو اگر کلیات میں خامی اور نقص ہو تو کوئی فائدہ اُس سے نہیں اُٹھایا جا سکتا گزشتہ زمانوں کی حکومتی جگھوں اور معرکوں سے جس قدر انسانوں اور جانوں کا نقصان ہوا ہے کیا وہ اندازہ اِس بات کے ثابت کرنے کو کافی نہیں ہے کہ دنیا کو اُن سلسلوں اور رشتوں سے قطع نظر کر کے مصالحانہ راہوں پر سالک ہونا چاہیئے کلیات کا صحت اور درستی پر رہنا حکومتوں کی درستی کا باعث ہو سکتا ہے لیکن جب کلیات کا سلسلہ پسندیدہ نہ ہو تو حکومتیں اُن کی غلطیوں اور لغزشوں سے چند ہی روز میں برباد ہو جاتی ہیں جہاں ضرورتوں پر خیال نہیں کیا گیا وہاں کی حکومتوں کو بہت ہی جلد گویا پیدا ہونے کے ساتھ ہی نقصان اُٹھانا پڑا ہے دراصل غور سے پایا جاتا ہے کہ جو صورت ایک عام صلاحیت کے واسطے ہے وہی حکومتوں کی اصلاح کی بُنیاد واقع ہوتی ہے +

دُنیا کے ابتدائی زمانوں میں شاید اس اصول کی قدر و منزلت نہ کی جاتی ہو اِس زمانے میں تو اسی اصول کی قدر و منزلت ہے اور اُسی کی بدولت قوموں نے دُنیا میں عروج کے گنبد کو لیا ہے جس عمدہ اصول اور قیمتی رُول کے ظاہر کرنے کا ہم نے اوپر کی سطروں میں وعدہ کیا ہے وہ یہ اُصول ہے کہ قطع نظر اور تصرفات مذہبی اور اختلافات قومی کے اصولاً انسانی محبت کو مقدم رکھا جائے گویا دُنیا کے اعتبار سے انسانیت کو تمام انسانوں کا اٹل اور لازوال مذہب اور دھرم سمجھا جائے ہم جس ملک یعنی ہندوستان میں رہتے اور بود و باش رکھتے ہیں اُس میں اور ممالک کی طرح خیالات

اعتبارات مذاہب دیگر خصوصیات میں ہزاروں ہی اختلافات اور تصرفات ہیں اور وہ کبھی بند نہیں ہو سکتے لیکن اُن کے ساتھ انسانیت کے اُصول پر بالکل غور نہیں کیا جاتا جو انسانیت کے اصول اور حقوق میں اُن کو بے رحمی سے فنا اور برباد کر دیا جاتا ہے بلحاظ اُصول انسانیت کے تمام ہندوستان ایک مذہب اور ایک قوم کا ہے جس قدر انسانیت کی ضروریں اور حوائج ہیں اُن سب کے واسطے انسانیت کے مفید اور عام پسند اصولوں پر چلنا لازم ہے لیکن نہ افسوس ہے کہ یہاں مذہب انسانیت کی بہت ہی ہتک اور بے قدری کی جاتی ہے ہم ہر ایک نسبے سے اُلفت اور بُغض بلحاظ انسانی اصولوں اور انسانیت کے نہیں رکھتے بلکہ اور طریقوں سے جو مذہب انسانیت سے مابعد کے ہیں۔ ہم ہر ایک قوم اور ہر ایک شاخ کو انسانیت سے خارج سمجھتے ہیں یہ ایک ایسا محدود اصول ہے کہ جو مذہب انسانیت کی بہت بے قدری کرتا ہے۔ انسانوں کا اختیار ہے کہ انسانی مذہب کو قائم رکھ کر دوسرے خیالات جو چاہیں وہ اختیار کریں جیسے ہمیں اپنے یا کسی دوسرے کے خیالات اور رسوم کی قدر و منزلت کرنی لازمی اور واجبی ہے ایسا ہی ہم پر انسانی مذہب کی عزت اور احترام بھی واجبی اور لازم ہے اور سب خیالات اور مفروضات یا مذاہب ہم کو انسانوں کی سبیل اور ہدایت سے ملے ہیں لیکن انسانی مذہب خود خُدا اور جونی سروپ نرنکار نے رکھا ہے اور گو ادیان اور مذاہب میں گونہ اختلاف ہے مگر اس انسانی مشرب اور انسانی مذہب میں کوئی اختلاف اور فرق نہیں ہے کیا کسی شخص کو کسی دوسرے انسان کی انسانیت میں قطع نظر اور شکوک کے کوئی وہم اور شک ہو سکتا ہے یا فلاں شخص یا قوم میں انسانیت نہیں ہے تعجب ہے کہ لوگ دوسرے مفروضات کو اس شد و مد سے مانتے ہیں حالانکہ اُن میں افتراقی صورتیں بھی موجود ہیں اور اس متفقہ صورت انسانیت کی قدر نہیں کی جاتی ہر ایک شخص شہر یا قصبہ یا قوم کے اعتبار سے دیکھا اور پہچانا جاتا ہے

اس نظر اور اس نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا کہ وہ انسان ہے۔ اگر ہم انسانیت کے شناسا ہوں اور انسانی مذہب پر غور کریں تو ہم کو پتہ لگ جائیگا کہ ہم سب کے سب ایک ہیں اور ہمارا صانع بھی ایک ہی ہے انسانیت کا مذہب ایک ایسا پختہ اور وسیع الحالت مذہب ہے کہ اور سب مذاہب اور سب ادیان بھی قائم رکھ کر اس کی پرستش ہو سکتی ہے جیسے فریمشن فرقہ میں ہر ایک مذہب وملت کا آدمی اور پرستار بغیر کسی روک کے تمامی مذہب وخیال خود داخل ہو سکتا ہے ایسے ہی انسانیت کے مذہب میں ہر ایک بشر خوشی سے ملسکتا ہے در اصل یہی ایک بڑا فریمشن اور لاج ہے جس میں ہر ایک قوم اور ہر ایک مذہب کے آدمی کو بغیر کسی روک ٹوک کے داخل ہونا چاہیئے۔ انسانی جماعتوں کی پوری ترقی اور کامل عروج اُسی صورت میں ظہور پذیر ہوگا جب مذہب انسانیت کے اصولوں پر کمالیت سے عمل کیا جائیگا جب تک کل قوموں کا یہ کلمہ یا بھجن نہیں ہوگا کہ وہ انسان انسان ہے اگرچہ خیالات میں کچھ بھی اختلاف کیوں نہ رکھتا ہو تب تک وہ امن اور وہ آسائش جس کی دنیا کو ضرورت ہے کبھی حاصل نہیں ہوگی۔ آنکھیں کھول کر دیکھو کہ تم سب کے سب ایک ہی ہو باہر کے احاطوں اور دائروں میں گو جدائی اور فرق نمودار ہے مگر جہاں سے انسانیت کا دور دوراں شروع ہوتا ہے وہاں پر امن آمیز یکجہتی اور یکسوئی ہے۔ انسانیت ہمیں یہ سکھاتی ہے اور انسانیت کا پاک مذہب ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ سب انسان ایک ہیں اور سب کا باپ یا شروع ایک تھا۔ آنکھیں کھول کر دیکھو کہ کیا تم دو ہو انسانیت کے اصول انسانوں کو ایک ایسی مبارک راہ پر لاتے ہیں جو سب کے لئے مفید اور مبارک ہے کافی امن اور پوری آسائش اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسانیت کے لحاظ سے انسان کی قدر و منزلت کی جاتی ہے ورنہ کون نہیں اپنے چہیتے بیٹے کو گود میں لیتا یہ محبت تعلق کی ہے انسانی محبت اور انسانی تعلقات کی قدر کرو اور جس قدر اختلافات انسانیت کے

پاک مذہب کی بیقدری کرتے ہیں اُن سب کو لاپروائی اور عزّت کی نگاہوں سے دیکھو یہی نیکی اور یہی سعادت ہے۔

مسیح علیہ السلام سے پوچھا گیا تھا کہ خدا کیا ہے تو اُس نے اسی اصول پر جواب میں کہا کہ خدا محبّت ہے سب باتوں کو چھوڑ کر انسانیت کو پیار کرنا ایک خاص عبادت ہے نظم

بگذر ز وجود وز عدم ہم | بگذار حدوث را قدم ہم
در آب بشو کتاب معقول | بشکن تو دوات را قلم ہم
رو دینی و آخرت رہا کن | تا نور نماند و ظلم ہم
مے نوش ز خم خسروانی | آخر چہ کمی تو جام جم ہم

میخانہ اگرچہ بیکران است
مے نوش بقدر خویش ہم ہم

ضرورت

ایک فلاسفر کا مقولہ ہے کہ الضرورت ام الایجاد و الاختراع یعنی ایجاد اور اختراعات کی ماں ضرورت ہے جب اس دنیا اور انسانوں کی ضروریات محدود و اور محصور تھیں تو اُس وقت دنیا کے سامان بھی محدود تھے جوں جوں ضرورتیں بڑھتی گئیں ایجادات اور اختراعات میں روزافزوں ترقی اور رونق آتی گئی اگر اس زمانہ میں دنیا کی گذشتہ نسلیں آکر بار دنیا کی سیر کریں تو اُنہیں بہت سے ایسے سامان نظر پڑینگے کہ انہیں پوچھنا پڑیگا کہ ان کی اب یا اُس زمانہ میں دُنیا والوں کو کیا ضرورت اور حاجت پڑی ہے اور کیوں ان کا تہیہ کیا گیا ہے لیکن اگر وہ غور کرو اور وسعت دینگے تو مان جائینگے کہ واقعی ان سب سامانوں کی دُنیا والوں کو ضرورت ہے اُسی ضرورت کا طفیل ہے

کہ یہ چیزیں اور سامان دنیا کے لوگ پیدا کرتے ہیں۔ جب انسان کو کوئی ضرورت اور دقت پیش آتی ہے تو اس وقت وہ اُس کے حل اور آسان کرنے کی تجویزیں سوچتا ہے اس کی اضطراری قوت اس کو دور دور تک لیجاتی اور صدہا سامانوں کو اُس کے پیش نظر کرتی ہے انسان اس حالت میں ضرورت کے موافق اُن اسباب اور موجبات سے اقتباس کرتا اور ایک جدید راہ نکالتا ہے جسکا نام ایک قیمتی مسئلہ یا قیمتی ایجاد ہے اگر انسان کو ضرورت محسوس نہ ہوتی تو یہ حالت کبھی نہ رہتی بہت سی ایسی ضرورتیں اور حالتیں ہیں کہ اُنہیں خاص خاص لوگ ہی محسوس کرتے ہیں۔ عوام الناس کو اُن کا ادراک نہیں ہوتا جو خاص لوگ ایسی ضرورتوں اور ملزومات کو محسوس کرتے ہیں وہ گویا دراصل تمام مجموعہ عالم کی حاجات محسوس اور دریافت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کو عالم اور فاضل حکیم منش اور فلاسفر کہا جاتا ہے یہی لوگ ہیں جو انسانی معاشرت اور زندگی کی بابت مفید امور کی تلاش اور جستجو میں سرگرداں رہ کر ہزاروں ہی مفید اور برجستہ مسائل کا استخراج کرتے ہیں اگرچہ اس وقت لوگ اور عوام کالانعام ایسے بزرگواروں کو ایک فضول پرست خیال کرتے ہیں مگر چند ہی روز کے بعد اُنہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ دراصل اُن کی کوششیں اور مساعی تمام دنیا کے حق میں ایک رحمت اور آب باراں ہے۔ جس وقت اسٹیم کی طاقتوں کو حکیم نے دریافت کیا تو اُس وقت تمام لوگ اور اشخاص اُس کو پاگل اور دیوانہ خیال کرتے تھے لیکن جن کو اسٹیم کی طاقتوں اور عجوبات سے علم ذاتی اور عملی ہو تو اُن پر روشن ہوگا کہ فی الحقیقت اُس حکیم کی مساعی لغو اور بیہودہ نہیں اور علیٰ ہذا القیاس اور صدہا مسائل اور امور کا حال ہے جو ضرورت کے پیٹ سے پیدا ہو کر دنیا کے گھر میں نشو و نما پا کر مخلوق اور انسانی جماعتوں کو لاکھوں فوائد اور منافع کا وارث ثابت کر رہے ہیں ضرورت ہر ایک بشر و طاقت کو محسوس ہوتی ہے پر اس کے حل کرنے والے لوگوں کی تعداد کم ہے ہم سوال کر سکتے ہیں کہ کیا ہندوستان میں یا ہندوستانیوں کو

ضرورتیں نہیں ہیں اور کیا اُن کی طبیعتوں اور دلوں میں یہ احساس نہیں پایا جاتا ہم کبھی اس سے انکار نہیں کر سکتے ہم کو بھی ضرورتیں محسوس ہوتی ہیں مگر اس احساس کے ساتھ ہمت کا مادہ جو دوسرے انسانوں میں مودعہ ہوتا ہے وہ ہم میں نہیں رہا ہم ایک ضرورت کو محسوس و معلوم ضرور کرتے ہیں مگر اس کے بعد بھی کسی اور وسیلے اور سہارے سے دفع الوقتی کر لیتے ہیں جس سے وہ احساس اور ادراک بالکل کمزور اور ماؤوف ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ نوبت آرہی ہے کہ ہم اُس احساس کو بھی محسوس نہیں کرتے جب ایک عضو صدر ہو جاتا ہے تو اُس حالت میں انسان کسی آفت کو بھی محسوس نہیں کرتا یہی حالت اس وقت ہندوستان کی ہے گو اُسے ہر ایک مفید امر اور مصیب طاقت یا اصول کی ضرورت ہے مگر کل قومی بدن اور ملکی جسم مخدر ہو رہا ہے وہ محسوس بھی نہیں کرتا کہ اس کے جسم یا بدن پر کیا کچھ صدمے وارد ہوئے ہیں اور اُسے اس کے بچانے اور محفوظ رکھنے کے واسطے کیا کچھ کرنا چاہئے جب تک ہندوستان میں لوگ ضروریات کو محسوس نہیں کریں گے یا جنہوں نے محسوس کیا ہے ان کا صدق قلب کے ساتھ ساتھ نہیں دیا جائیگا تب تک کبھی بھی مفید نتائج پیدا نہ ہونگے +

جہالت اور عقل

ایک حکیم کا قول ہے کہ دنیا کے میدان میں جہالت اور عقل خلوط سواری کی طرح ایک ہی لین پر برابر چلی ہیں اگرچہ تمام دُنیا میں تعلیم اور عقلمندی کو روز افزوں ترقی ہے اور ہزاروں عقلی کرشمے ظاہر ہونے اور لوگوں کو ذہنی قوتوں کو جلا دینے جاتے ہیں مگر پھر بھی جب نظر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ جہالت بھی ساتھ ہی ساتھ برابر پرے سے جھاڑ کر چلی آتی ہے جہاں علم اور عقل میں ترقی اور سوختی آگئی ہے وہاں جہالت نے بھی اپنے ہتھیاروں سے کام لینا شروع کیا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ دُنیا کا معاملہ ایک طرح

کسی دن ہوگا۔ آثار اور علامات سے ایسا ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں خطوط متوازی ہیں کبھی فرق نہ آئیگا مشکل یہ ہے کہ جس دل میں دانائی۔ علم اور دوراندیشی ہے اسی میں جہالت کم اندیشی اور بیہودگی بھی ایک گوشہ میں لگی کھڑی ہے جو شخص حکیم اور فلاسفر ہے وہ جاہل اور ناسمجھ بھی ہے جو عاقل اور منصف ہے وہ ظالم اور جابر بھی ہے ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرنچ حکیم نے جو آخر عمر میں یہ رائے قائم کی تھی کہ قدرت نے کسی انسان کو بھی اس دنیا میں کوئی امر یا کوئی عادت مکمل نہیں دی بہت ہی درست اور موزوں ہے واقعی انسان کو کسی امر اور کسی رائے پر قیام اور ثبات نہیں ہے وہ عقیل اور دوراندیش بھی ہے اور ساتھ ہی اس کے جاہل بھی منصف بھی اور ظالم بھی۔ دنیا کے مختلف حصوں کی عملی باتیں یقین دلاتی ہیں کہ وہی خطوط متوازیہ اب تک متوازی ہی چل رہے ہیں گو علوم و فنون نے انہیں بہت ہی ڈانٹا اور ستایا مگر ان کی رفتار میں کوئی انقلاب اور فرق نہ آیا۔

جن لوگوں کو فلاسفر اور حکیم مزاج کہا جاتا ہے اُن سے بعض اوقات وہ امور سرزد ہوتے ہیں کہ بیوقوفوں اور جاہلوں سے نہیں ہوتے۔ اس وقت انگلستان کی ولایت اور دیگر حصص یورپ میں جو معاملات اور خودکشیاں وغیرہ وقوع میں آ رہے ہیں ان سے پتہ لگتا ہے کہ بلاشک ان خطوط متوازی جہالت اور عقل میں ہنوز تفاوت نہیں آیا۔ فرانس میں ایک نامور حکیم اور فلاسفر نے اس بنیاد پر خودکشی کی کہ دنیا میں ہر صبح کو وہی چیزیں دیکھی جاتی ہیں جو گذشتہ صبح کو دیکھی تھیں اس ناچیز اور یکساں دنیا میں رہنا ایک حکیم کے واسطے بہت ہی معیوب ہے۔ ایک حکیم کہتا ہے کہ میرا کلیجہ نکال لو تاکہ فلاں طریق سے میں نہ مروں۔ ایک فلاسفر کو یہ وہم گذرا کہ میں بلور کا ہوں ٹھیس لگنے سے ٹوٹ جاؤنگا۔ ایک دانا پڑھی لکھی میڈم صاحب کو بھی اس خبط نے جان سے مارا۔ علیٰ ہذالقیاس اور سیکڑوں اس قسم کے واقعات ہیں یہ اس ملک اور

ان قوموں کے ہیں جہاں کے لوگ دوسروں کو کھلے مُنہ نیم وحشی کہتے ہیں اور جہاں گویا عقل اور منطق اور فلسفہ کی بدہضمی ہو رہی ہے۔ یہی باتیں ہیں جن سے یہ سُراغ ملتا ہے کہ سچ مچ اس دنیا کے میدان میں جہالت اور عقلمندی۔ نیکی اور بدی خطوط متوازی کی طرح ایک ہی لیس پر چلتی ہیں اور اُن کا دخل ایک ہی دل میں ہو رہا ہے نہ تو ان دونوں سے کوئی حکیم فلاسفر خالی ہے اور نہ کوئی جاہل اور بے علم۔ کوئی امید نہیں کی جاتی کہ دُنیا کی موجودہ روشنی سے اُن خطوط متوازی کی رفتار میں کوئی فرق آئے۔

تم برداشت کرو

دُنیا میں جو بڑی طاقتیں ہیں وہ چھوٹی طاقتوں کو صاف طور پر خواہ اشاروں کنایوں میں یہ کہتی ہیں کہ "جو ہم برداشت نہیں کر سکتے اُسے تم برداشت کرو" چھوٹی طاقتیں اُن حکموں کو سُنتی اور اُن پر عمل کرتی ہیں جسے مساوات کا قانون یا یکساں ضابطہ کہتے ہیں وہ اس وقت تک دُنیا میں مروج نہیں ہے گو اخلاق کی فلاسفی میں یہ کہا گیا ہے کہ سب یکساں اور مساوی ہیں۔

لیکن دنیا کی کتاب میں اس کا عمل نہیں ہے یا تو ہو ہی نہیں سکتا اور یا کیا نہیں جاتا۔ اِن مساوات کے واسطے الفاظ ضرور ہیں لیکن اُن کے واسطے عمل نہیں ہے ہر ایک اعلےٰ درجہ ادنےٰ درجہ والوں کو صاف کہتا ہے کہ "تمہیں یہ برداشت کرنا ہوگا" اگر دُنیا کے ہر ایک درجے کو بلحاظ اعلےٰ اور ادنےٰ ہونے کے ترتیب وار دیکھا جائے تو اُن سب میں اس کی بُو اور نشان پایا جاتا ہے اور ہر ایک میں اس کے ساتھ یہ بھی آواز سُنائی دیتی ہے کہ مساوات درحقیقت ہے مگر اس زور کے ساتھ یا اُس کے عمل کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی اس کا باعث یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی مساوات سے درجے ٹوٹتے اور بُرائیاں نیستی کے دریا میں بہ جاتی ہیں۔ ایک شخص باوجود اس کے کہ یہ

بھی کہنا ہے کہ مساوات ضروری ہو لیکن کھر بھی یہ آواز دیتا ہے کہ "تم برداشت کرو"۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ میں نہیں برداشت کر سکتا اس کے واسطے تم موزوں ہو۔ انارکسٹ فرقہ والوں کا اسی اصول سے جھگڑا اور فساد شروع ہوا ہے اُن کا قول خواہ مذہب یہ ہے کہ ہم نہیں برداشت کرینگے سب کا بوجھ سب اُٹھائینگے مساوات قائم ہونی چاہئے یہاں تک تو وہ درست چلتے تھے لیکن اُن کا یہ جھگڑا کہ سب کی امارت اور سب کی ریاست سب پر مساوی حیثیت سے تقسیم ہو جانی چاہئے ایک بیہودہ جھگڑا ہے وہ دُنیا والوں سے اس کو نہیں کرا سکتے اور نہ اس کارخانہ میں ایسا ہو سکتا ہے گو مساوات کا خیال درست ہے مگر کب ہونا ہے اُس وقت جبکہ دُنیا میں مدارج نہ رہیں۔ مدارج اور مراتب ایسی محنتوں یا حکمت عملیوں سے یا اتفاق اسباب سے حاصل ہوتے ہیں اور یہ اُمور خاص خاص صورتوں اور مذاق پر موقوف ہیں اور ہر ایک انسان نے اُن میں جدا گانہ حصہ لیا ہے جو شخص ایک سفر میں پہلے چلا ہے وہ ضرور دوسرے سے پہلے پہنچیگا اب اگر اُس شخص کو یہ کہا جاوے کہ تم بھی پھر واپس ہوکر اُس مابعد مسافر کے ساتھ مل جاؤ تو یہ ایک مصیبت ہے اور اس کا دور اور تسلسل کبھی بند نہ ہوگا ایک مساوات سے ہمیں دوسری مساوات کی ضرورت پڑیگی جس سے معاملہ بہت دور ہو جائیگا اور وہ مطلب جو ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں تمام عمر میں بھی حاصل نہ ہوگا۔ "تم برداشت کرو" کے کلمہ کو ہم کبھی اس دنیا سے نہیں اُڑا سکتے قدرت نے خود اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ کون طاقت کس چیز اور کس بار کی برداشت کریگی بس اب اس کے خلاف نہیں ہو سکتا اگر یہ کہا جائے کہ ہاں تقسیم کرا دیا جاوے تو اُس کے کچھ معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک درخت کی پتیاں اور شاخیں ہمیشہ جڑ کو کہہ سکتی ہیں کہ ہماری تم برداشت کرو گی۔

لیکن افسوس ہے کہ غریب جڑوں کو یہ کہنے کا حق حاصل نہیں یوں تو دونوں مساوی ہیں مگر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ یہی حال دُنیا کے معاملات کا ہے۔ ہمیشہ ایک

طاقت دوسرے کو کہہ رہی ہے "تم اسے برداشت کرو" اور اس اصرار کر باٹرتا ہے۔ اس اصول کے مٹانے کے لئے بڑی طاقتوں کو مٹانا خود چھوٹی طاقتوں کو معدوم کرنا ہے۔

کچھ پروا نہیں

کسی فلاسفر یا حکیم سے کسی نے پوچھا تھا کہ دنیا میں آرام اور آزادی سے زندگی بسر کرنے کے واسطے کیا تدبیر کرنی چاہیئے فلاسفر نے جواب دیا کہ دنیا کا گھر ایک ایسا خوفناک گھر ہے کہ کوئی شخص بھی اس میں پوری آزادی اور خوشی کے ساتھ نہیں رہ سکتا ہاں وہ لوگ جو روحانی راہوں کے سالک ہیں وہ ہمیشہ ہی خوش اور شاداں رہتے ہیں۔ اور ان کی خوشی اور مسرت کی وجہ یہ ہے کہ گویا وہ دنیا سے ماہر ہیں اگر وہ بھی دنیا کے تعلقات سے دلی دلچسپی رکھتے تو ان کو بھی یہ درجہ اور آزادی حاصل نہ ہوتی انہوں نے دنیا اور اس کے تعلقات کو چھوڑ دیا اور دنیا کے غم اور باسدی ان کو چھوڑ گئی جو شخص اس دنیا اور اس کے خرابات سے نفرت کرتا ہے وہ گویا آزادی کے گھر میں جا رہتا ہے۔ دنیا داروں کے واسطے اس گھر اور اس زندگی میں روز افزوں مایوسیاں اور غم ہی ہیں ان کو ہرگز آزادی نہیں مل سکتی اور نہ وہ خوش رہ سکتے ہیں ہمیشہ دام فکر اور تردد میں گرفتار رہیں گے ہاں ان کی رہائی اور خلاصی کے واسطے ایک چلتا نسخہ ہے اگر اس پر دنیا دار عمل کریں تو کسی قدر رہائی مل سکتی ہے وہ نسخہ یا طریقہ یہ ہے کہ ہر ایک امر نیک و بد کے وقوع پر انسان دل سے یہ کہہ دیا کریں کہ کچھ پروا نہیں اس صورت میں ان کو کسی قدر آزادی اور چین مل سکتا ہے۔

ہے تو یہ دیوانہ یہ کہتا ہے ٹھکانے کی

جیسے دنیا کی اور طاقتوں میں ایک کشش اور اثر ہوتا ہے ایسے ہی الفاظ اور جملوں میں اثر اور کشش ہے بعض الفاظ اور بعض جملے ایسے ہیں کہ ان کے اطلاق سے انسان کے

دل پر ایک اثر ہوتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ اُن کے حدوث سے ایک اور ہی قسم کی حالت ظاہر ہوتی ہے بعض غم اور ہم کو بڑھاتے ہیں اور بعض ان کو دور کرتے ہیں۔ جملہ "کچھ پروا نہیں" ایک ایسا جملہ ہے جو انسان کو اکثر حالات رو یہ سے رہائی بخشتا ہے اور اس کے مقابلہ میں "اب کیا ہوگا" ایسا منحوس جملہ ہے کہ جو آدمی کی زندگی وبال کر دیتا ہے +

اِس دُنیا میں وہی انسان خوش اور خرّم رہ سکتا ہے جو ہر ایک صدمہ اور خوشی کو لاپروائی اور استغنا کی نگاہ سے دیکھتا ہے جس کا یہ عمل نہیں ہے وہ ہمیشہ ناخوش اور مضطر رہتا ہے۔ یہ اصول اور یہ طریق عمل اس وقت اختیار کیا جا سکتا ہے جب انسان اس امر کو ذہن نشین کر لے کہ اس دنیا میں چھوٹی چھوٹی باتوں اور نقصوں پر تردد اور فکر کرنے سے انسان کی زندگی وبال ہو جاتی ہے اور وہ نقص کبھی ظہور اور حدوث سے باز نہیں رہ سکتے جب انسان ایسی باتوں اور ایسے امور کو ذہن نشین کر یگا تو اس کو یہ کہنے کا حوصلہ ہو جائیگا کہ "کچھ پروا نہیں" +

جب انسان کا یہ عمل ہو جائیگا تو اس وقت اس کی زندگی آزادی اور فرحت سے گزریگی۔ اور اس کے ساتھ یہ یقین بھی کرو کہ "جو امر ہونا ہے وہ ضرور ہوگا" اگرچہ کسی ہی سعی اور کوشش کی جائے کبھی ٹل نہیں سکتا اور نہ اس کو کوئی ٹال سکتا ہے دنیا میں بہتیری قوتیں ایسی ہیں جو ہونے والی طاقت کا مقابلہ کرتی ہیں لیکن آخر کو وہ ضرور ہی پسپا ہوتی ہیں پس اس اندوہ اور غم کے رفع کرنے کے لئے کہ جو اس پسپائی اور شکست سے ہوتا ہے یہ کہنا ایک چلتا نسخہ ہے کہ "کچھ پروا نہیں" اگر بجائے اس کے یہ کہا جائے کہ "اب کیا ہوگا" تو یقیناً زندگی انسان اپنے آپ پر ہی وبال ہو جائیگی "کچھ پروا نہیں" کہ کر اور تدابیر کا کرنا نامناسب اور ناجائز نہیں سعی اور تدبیر کا سلسلہ بھی برابر جاری رہیگا اور ہر ایک صدمہ اور خوشی پر کہتے جاؤ کہ "کچھ پروا نہیں" اگر یہ چاہتے ہو کہ تمہاری زندگی عیش اور عشرت سے گزرے تو بھولے سے بھی کسی صدمہ پر نہ کہو کہ "اب کیا ہوگا" یہ وہ جملہ ہے جو

تمہاری زندگی کو خود تم پر بھی دوبھر کر دیگا اور تم جیتے ہی جی ہمیشہ کے واسطے مر جاؤ گے۔ دوستو یہ کلمہ کبھی زبان سے نہ نکالو [illegible] بلکہ حوصلہ کے ساتھ کئے جاؤ مگر ساتھ ہی اس کے پوری سعی کرتے جاؤ کہ کچھ پروا نہیں اگر تمہارا یہ عمل ہو جائیگا تو بقول اس فلاسفر کے تمہیں کبھی بھی زندگی رنج اور تلخ معلوم نہ ہوگی۔ یہ چند روزہ زندگی اس حالت میں عمدگی اور خوشی سے گزر سکتی ہے کہ جب اسے لاپروائی کے خیال سے گزار دیا جائے اگر نشیب و فراز کو دل میں جگہ دے لوگے تو بس تمہارا خاتمہ ہو چکا۔

شرم اور بے شرمی

حکیموں نے کہا ہے الحیاء من الایمان یعنی کہتے ہیں جس میں شرم نہیں وہ انسان نہیں بعض کہتے ہیں حیا انسانیت کا اعلیٰ خاصہ ہے جو شخص شرم نہیں رکھتا وہ انسانی جماعت میں عزت اور توقیر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا ہر ایک ملک اور ہر ایک فرقہ اور ہر ایک مذہب میں حیا اور شرم کو انسانیت کا لازمہ اور خاصہ سمجھا جاتا ہے اور اس پر زور دیا جاتا ہے کہ شرم اور حیا کی اعلیٰ خصلت پیدا کرنی چاہئے۔

اخلاقی اور مذہبی کتابوں میں اس پر بہت سی تقریریں کی گئی ہیں شرم کے مقابلہ میں بے شرمی اور بےحیائی ہے اس کی نسبت عموماً یہ رائے ہے کہ ہرگز انسان میں یہ مادہ اور خصلت نہیں ہونی چاہئے جس انسان کی ذات میں یہ مادہ ہے وہ انسان نہیں ہے بلکہ حیوان لایعقل ہے۔ اس کے لیے نہ تو کوئی عزت ہے اور نہ کوئی وقر وہ حیوانوں سے بھی بدتر دیکھا جاتا ہے اور اس کی نسبت عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ بے شرم اور بے حیا ہے۔

ایک فلاسفر کہتا ہے کہ دنیا کی ہر ایک شے با طاقت کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک برا اور ایک اچھا۔ ایک اچھی شے میں سے برائی بھی بعض وقت استعمال کے

خیال سے نکل آتی ہے اور کبھی اس اصول سے نیکی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس خیال پر شرم اگرچہ ایک اچھی خصلت ہے اور یہ ہر ایک انسان میں ضرور ہونی چاہئیے مگر اس کے معاملہ میں بے شرمی ہی شرم کے قائم مقام ہوتی ہے۔ اگر اس حالت خاص میں شرم کی جائے تو بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے اور انسان کو دکھ اٹھانا ہے بہت سی ایسی باتیں اور ایسے اصول ہیں جو تقاضائے شرم و حیا ضرور قبول کرنے پڑتے ہیں اور اُن کے اقبال سے انسان کو فائدہ نہیں بلکہ نقصان و زیان اُٹھانا پڑتا ہے اگر اس وقت انسان شرم اور حیا کو نہ چھوڑے تو اس کی ناسمجھی ہے گالی اور دشنام اگرچہ فی لوقہ بُری شئے ہے لیکن بعض وقت میں ایک مفید ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔

بعض معاملات اس قسم کے ہیں کہ انسان شرم اور حیا سے ان میں سخت شکست اور دکھ اٹھاتا ہے اور اس کو اپنے یا دیگر حقوق واجبی میں صورت انقلاب یا برہمی پیدا ہوتی ہے ایسے وقت میں انسان کو کلیۃً شرم سے کام نہیں لینا چاہئیے بلکہ گلوخ بے شرمی سے۔ صدہا معاملات لوگ ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں لیکن بے شرمی ان سب کو ایک ہی دم میں دائرہ حفاظت میں لے آتی ہے اور ان کو اپنا کر لیتی ہے۔

ایک انسان جو اپنی طبیعت میں غاصب اور جابر ہے دوسروں کے حقوق غصب کرنا چاہتا ہے اور ہم شرم سے خاموشی کے ساتھ یہ تماشہ دیکھتے ہیں۔ جب ہم میں تھوڑی سی بھی بے شرمی آکر اُسے مانع ہوگی تو سارا طلسم کھیل کی طرح ٹوٹ جائیگا۔

لوگوں نے شرم اور حیا کے معنوں میں بہت سی طاقتوں کا خون کر دیا ہے بعض لوگ یہاں تک شرم کے مقید اور پابند ہوتے ہیں کہ اُن کے خیالات میں دوسرے کے سامنے آنکھ تک اُٹھانا بے شرمی ہے۔ یہ ایک بزدلی ہے جو انسان کو خراب کرتی ہے جس وقت انسان ایک صریح نقصان کو اُٹھاتے اُٹھاتے عاجز اور تنگ آجاتا ہے اس وقت اس طاقت سے کام لینا پڑتا ہے مگر عام سوسائٹی کی رائے عام خیالات اور اصولوں سے ہوتی ہے۔ اس میں خصوصیات کا لحاظ نہیں ہوتا

یہ معاملہ خاص ہے اگر کوئی صورت نقصان رساں ہے تو کیوں نہیں اس کا دفعیہ کیا جاتا ایسا کرنا واقعی شرم کو توڑنا نہیں بلکہ شرم کے معنوں کو وسیع کرنا ہے ہمیشہ ملائمت اور شرم ہی انسان کو کام نہیں دے سکتی غصہ اور ترش روئی بھی کسی غرض سے دنیا میں لائی گئی ہیں ان سے بھی انسان کو موقع پر کام لینا مناسب اور ضروری ہے۔ اگر انسان کو شرم اور حیا سے کام لینا چاہیئے تو بعض حالتوں میں بے شرمی سے (خود غرضی سے بے شرمی نہیں ہے بلکہ خود حفاظتی اور ذاتی بچاؤ اور آخری جواب اور ایک ضروری دفعیہ ہے) بھی ضرور ہی کام لینا چاہیئے اگر وہ ایسا نہ کریگا تو دنیا کے برخلاف بازار میں وہ لٹ جائیگا اور وہ ہمیشہ گھاٹے میں ہی رہیگا۔ اگر اس دنیا میں تم آرام سے رہنا چاہتے ہو تو اس مصرع پر عمل کرو۔ ع

درشتی و نرمی بہم در بہ است

اولوالعزمی

جھیل گوسا کے تذکرے میں یہ امر بیان کیا گیا ہے کہ اس ملک کے لوگوں کو ایسے نادرات اور سانحات دیکھنے اور اُن پر غور کرنے کی اولوالعزمی یا شوق نہیں ہے اگر امریکا کا ملک ہوتا تو ہزاروں لوگ اس موقع پر آکر جمع ہوتے اور سہولت کی غرض سے سبک رفتار ریل بھی جاری کی جاتی ۔۔ انگریزی اخبار کے کارسپانڈنٹ کا یہ خیال بہت درست اور قابل تعریف ہے بیشک اگر ملک امریکا یا یورپ کے کسی دوسرے حصہ میں ایسا واقعہ اور حادثہ قریب الوقوع ہوتا تو ہزاروں مخلوق سیکڑوں روپیہ صرف کرکے بھی جوق در جوق موجود ہوتے سیاح لوگ سیاحت کے رموز پر بحث کرتے اور دیگر عالم وفاضل علمی نکات کی چھان بین کرکے ملک اور قوم کو بے بہا نفع پہنچاتے اور ایسی ہی ہمتوں اور شوقوں سے اہل یورپ نے من مانگی مرادیں پائی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمت کے پاؤں بڑے طاقت دار اور لمبے ہوتے ہیں

اور وہ بہت دور تک چل پھر کر دیکھ چکے ہیں درحقیقت یہ راستہ اور درست ہے ہمیشہ کے لئے انکے بہت سی مشکلات آسان ہیں ۔

لیکن ہمارے ہندوستان میں ایک مثل مشہور ہے جس کی کوئی بھی واسطے اسکے کہنے کی بھی سامنے ۔ دنیا کی تمام ہمتوں اور تمام اولوالعزمیوں کا زیادہ تعلق زر سے ہے ہماری سمجھ میں جب ہندوستانیوں کو پیٹ کے دھندوں ہی سے فرصت نہیں ملتی تو اُن کو ایسی ہمتوں اور اولوالعزمیوں سے کیا سروکار ہندوستانی غریب گو ہما تحصیل کا اگر ارادہ کریگا تو اُس کی عورت اور بال بچے ضرور اس سے کہینگے کہ تم جو روپیہ اور زر اس میں صرف کرتے ہو ہم اس کی روٹیاں ہی نہ کھا لینگے ۔

افسوس افسوس کہ باعث ہندوستان کی سرزمین میں اولوالعزمیاں کم پیدا ہوتی ہیں اگر عام طور پر دیکھا جاوے تو ہندوستان کے لوگوں میں غریبی اور فلاکت کو بہت دخل ہے بہت تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو بغیر کسی فکر اور مزید تردد کے گزارہ کرتے ہیں ورنہ عموماً حالت پتلی ہے ہم سے سوال کیا جائیگا کہ اس غریبی اور عام فلاکت کا کیا باعث ہے کیا وہی اولوالعزمی ہونے کا موجب تو نہیں ہے ہم جواب میں کہینگے کہ کسی قدر یہ بھی سچ ہے کیونکہ ہندوستانیوں کی طبائع میں اب سستی اور کاہلی بھی بہت ہوگئی ہے اور اُنکے رگ و ریشہ میں خون کے دورے کے بجائے محض پانی کا دورہ ہوتا ہے مگر اس کا باعث بھی اگر ڈھونڈوگے تو وہی فلاکت نکلیگی جو فکر اخراجات سے مالی حالتوں کو روز بروز کمزور کر رہی ہے ۔

تعلیم عام سے اگرچہ ایک فائدہ بھی ہوا مگر دیسی صنعتوں کی کساد بازاری اور بیرونی صناعیوں کی عام مانگ نے ملک کی حالت میں بہت کچھ انقلاب پیدا کر دیا ہے ہر ایک ملک میں وہ حصہ بہت ہوتا ہے جن کی حالت عام اور متوسط ہوتی ہے ۔ اگر ہندوستان میں ان حالت والوں کو دیکھا جاوے تو صاف طور پر نتیجہ نکلیگا کہ ان لوگوں کی حالت

درستے کامل اطمینان میں ہے۔ ہم اس امر کو جانتے ہیں کہ ہندوستان کے چند گھرانے درست حالت میں ہیں اور ان کو ایک طرح کی عزت اور برکت حاصل ہے مگر ان چند کے ہونے سے عمومیت کو حاصل نہیں ۔

اگر ایک ہزار کی آبادی میں صرف دو گھروں میں رات کے وقت دیئے جلتے ہوں تو یہ نہیں کہا جائیگا کہ ساری آبادی یا تمام گھروں میں روشنی تھی اور نہ یہ فتویٰ دیا جائیگا کہ اس محدود روشنی سے عام گاؤں والوں کو اجالا حاصل ہوا۔ یہی حال ہندوستان کا ہے جب اس غریب ملک کا یہ حال ہو تو پھر ان میں ایسی لکھی اولوالعزمیاں اور ہمتیں کیونکر پیدا ہو سکتی ہیں اور غریبوں کو تو پیٹ کا رونا پڑا ہے اور وہ اس سے خلاصی اور رہائی پائیں تو ان نظر سیاحت میں مصروف ہوں در اصل بات یہ ہے کہ ہندوستان کی عام مخلوق اس وقت خود ہلاکت کا سامنا بن رہی ہے دوسرے ملک کے لوگوں کو اولوالعزمی کے ان کا دردناک نظارہ حاصل کرنا چاہئے۔ ہاں چند خوشحال لوگوں پر ضرور افسوس کہ ان کو بھی باوجود فراغت کے ایسی باتوں اور دلچسپ نظاروں کا خیال اور شوق نہیں ۔

غریبی اور بیوقوفی

ایک فلاسفر کا مقولہ ہے کہ "دنیا میں سب سے بڑا بیوقوف وہ ہے جو غریب ہے"
ایک دوسرا فلاسفر کہتا ہے غریبی بیوقوفی اور دیوانگی کی ماں ہے ۔

اگر ہم ان مقولوں کے ساتھ دنیا کی حال اور روش دیکھیں تو ثابت ہوتا ہے کہ واقعی ان میں صداقت کی روح ہے اس دنیا میں جو شخص غریب اور فلاکت زدہ ہے درحقیقت تمام بدیاں اور تمام بیوقوفیاں اسی کے حصہ میں آجاتی ہیں خدائی قانون اور الٰہی ضابطوں یا آسمانی صحیفوں کی ہدایتوں کو جدا رکھ کر اگر انسانی قانون اور برتاؤ کو دیکھا جائے تو ان واقعات کی تصدیق اور تائید ہوتی ہے ۔

دنیا والوں سے تمام بیوقوفیوں اور بدیوں کو انسانوں میں نسبتاً تقسیم کرد یا ہے اور ان بدیوں اور حماقتوں کی تعریف اور ذم بھی نسبتی طور پر کی جاتی ہے۔ دنیا کے میدان میں ایک بیوقوفی اور ایک بدی نسبتاً ایک مشغلہ ہے اور عمدہ کام بھی ہے اگر زید کی نسبت سے ایک کام یا ایک حرکت بدی ہے تو بکر کی نسبت سے وہی حرکت محمود ہے یہ قانون زیادہ تر غریبوں اور مفلوک الحال لوگوں پر استعمال کیا جاتا ہے اور خصوصاً اُن جماعتوں پر جو زمانے کی گردش میں آگئی ہیں +

جہاں غریبی اور فلاکت آئی وہاں اُس کے ساتھ ہی بیوقوفی اور بدی بھی آگئی۔ اصل میں غریبی کے ساتھ ہی تمام نیکیاں بدی کے قالب میں منتقل ہو جاتی ہیں غریب منڈ اور غریب ہاتھ کی ہر ایک بات اور ہر ایک حرکت قدر اور عزت کے قابل نہیں سمجھی جاتی اگرچہ مذہب نے مسکینوں اور غریبوں کو خدا کی بادشاہت کا اعلےٰ ممبر قرار دیا ہے مگر دُنیا میں اُس کے برعکس ہے۔ دُنیا میں یہ جماعت سب سے اسفل درجوں میں بیوقوف اور بدقرار دی جاتی ہے +

شاید یہی وجہ تھی کہ ایک حکیم نے یہ رائے دی تھی کہ دُنیا میں غریب کو نہیں رہنا چاہیئے کیونکہ دُنیا اُس کو پسند نہیں کرتی اور نہ وہ دُنیا کے واسطے موزوں ہے واقعی یہ رائے بہت ہی درست ہے مگر غریبوں کی یہ بھی بیوقوفی ہے کہ اُن کو مرنا ہی نہیں سُوجھتا کیونکہ ان کی سمجھ ایسی محدود ہو جاتی ہے کہ گویا وہ اپنے واسطے بخوبی فیصلہ نہیں کر سکتے مرنے کا فیصلہ بھی تو کسی قدر دور خیال کو چاہتا ہے سو وہ اُن میں نہیں ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جو کام ایک غریب کے ہاتھوں میں بیوقوفی ہے وہی کام ایک دولتمند اور صاحب ثروت یا صاحب اقتدار کے ہاتھوں میں نہ تو کوئی بدی ہے اور نہ بیوقوفی قمار بازی ایک غریب کے واسطے بُرے معنوں میں ہے لیکن یہی شغل ایک دولتمند کے ہاتھ میں ایک دلچسپ شغل اور دل لگی ہے۔ شکار سے غریب آوارہ گرد قرار دیا

جائیگا لیکن ایک دولتمند کے لئے ایک مفید صحت بخش عمل ہے +

غریبوں کے واسطے ناچ اور تماشا زہر ہے لیکن امیروں کے لئے نعمت اور دوائی ہے۔ اگر غریب جھوٹ بولے تو وہ ایک جرم ہے لیکن اگر ایک صاحب مقدرت ایسا کرے تو وہ ایک حکمت عملی ہوگی +

خلاصہ یہ ہے کہ اس بار ار دنیا میں غریب کی قسمت کچھ نہیں اگر اس کو اس میں کوئی فخر اور رفعت ہے تو یہ کہ وہ ایک بیوقوف غریب ہے حضرت مسیح نے کہا تھا کہ میں غریبوں کے واسطے ہوں لیکن زمانہ یہ کہتا ہے کہ غریب اس دنیا کے واسطے نہیں ہیں اگر اسکی کوئی ضرورت ہوگی تو اسی دنیا میں ہوگی جو مرنے کے بعد آتی ہے شاید حضرت مسیح کا مطلب اس فقرے سے یہ ہو کہ میں وہاں غریبوں کے واسطے ہونگا۔ اس دنیا میں نہیں +

ہمیں یہ افسوس کرنا ضروری ہے کہ جو مذہب اس دنیا یا امیروں کے اکھاڑے میں حقیر گنے جاتے ہیں انہیں کے رشتوں سے یہاں کے امیروں کا شیرازہ بندھا ہے اور وہی اس جماعت کو بدقسمت قرار دیتے ہیں ان کا یہ استدلال اور یہ سلوک واقعی ٹھیک ہے ہمیشہ چند روز رجلد بندھوانے والے بہ نسبت جلد ساز کے دنیا میں عزیز اور موقر ہوئے ہیں گو یہاں کے غریبوں اور مفلسوں نے امیروں اور دولتمندوں کی اجازت کی شیرازہ بندی کی ہے مگر ان کو کوئی عزت اور رتبہ حاصل نہیں ہے +

دنیا میں جو دیوار گرتی ہے اسی پر سے رہرو گذرتے ہیں بعض دل جلے تو یوں ہی کہہ اٹھتے ہیں کہ خدا ہی انہیں لوگوں کو مارتا ہے جو پہلے سے ہی مر رہے ہیں گو ہم اسکے قائل نہیں ہیں لیکن اکثروں کا یہ قول ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ ان کی اعلے ناکامیوں کا اثر ہے جو انہیں عمر میں اٹھانی پڑیں بہر حال یہ مقولہ درست ہے کہ "غریب کے واسطے دنیا کا میدان تنگ ہے" +

ردِ سوال

جیسی دنیا کی اور چیزیں یکساں نہیں ہیں۔ ایسی ہی انسانوں کی حالت بھی یکساں نہیں ہے کوئی غریب ہے اور کوئی امیر کوئی دولتمند اور کوئی فقیر۔ جو امیر ہیں انہیں متاع ثروت اور راحت کے اسباب لگے ہوئے ہیں سب لوگ سوال ہی کو اتفاقی دیتے ہیں اور جو فقیر ہیں انہیں اپنا فقر و حرمان نظر آتا ہے مگر وہ امیروں کو بھی اپنے اردگرد دیکھتے ہیں۔

افلاس ایک ایسی بلا ہے جو آتی تو مختلف راہوں سے ہے لیکن گذر اس کا ایک ہی طور و طریقے سے ہوتا ہے جو لوگ مفلوک الحال ہیں وہ دراصل نیم پاگل اور نیم ہوش انسان ہیں افلاس ایک ایسی نحوست آفت ہے کہ وہ اس نسبت قرار کو جو کہ ہر وقت انسان کو یاد رہنا چاہئے جلے ہی ہاتھ مار کر باہر کرتی ہے۔ ایسے لوگوں کی آخری حالت باوجود ایک استقامت اور استقلال کے اصلاح کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور انہیں دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے شرم اور روک نہیں ہوتی اگر اس وقت یا حالت کو کہ جب وہ اوروں کے روبرو جا کے اپنا ہاتھ پھیلاتے ہیں دیکھیں تو پتہ لگ جائیگا کہ دراصل وہ لوگ مرنے سے پہلے مر گئے ہوتے۔ اس میں کیا شک ہے کہ اُن کا سوال کرنا عجیب حالت میں ہوتا ہے ایسے وقت اگر اُن کی تذلیل اور تردید کی جائے تو اُن کی دلی حالت کو خدا کے سوا اور کون اندازہ کر سکتا ہے اور کون جان سکتا ہے کہ اُن پر کیا گزرتی ہے

جو لوگ امیر اور صاحب ثروت ہیں اُن کی مروت یا سخا کا ہمیشہ یہ تقاضا ہونا چاہئے کہ ایسے سوالات کے پورا کرنے پر متوجہ ہوں اور اگر وہ حالات کے تقاضے سے پورا نہ کر سکیں تو تسلی اور نرمی و ملائمت سے جواب دیکر ٹال دیں سختی سے پیش آکر ان شکستہ دلوں کے نصیب پر اور بھی بجلی نہ گرائیں ان کو ایسے موقع پر حضرت حالی صاحب کے اشعار

ذیل پر عمل کر رہا ہے ؎

یہ سچ ہے کہ مانگنا طلب سے سوا
یہاں ہیں سائل پہ مگر قدر عتاب

بدتر ہے ہزار بار اسے وہاں ہمت
مانگا کے سوال سے تو اتلخ جواب

قانون اور اخلاق

یہ خیال غلط ہے کہ کسی حکومت کا ملکی قانون رعایا کے لوگوں اور جماعتوں کو اخلاق اور تہذیب سکھاتا ہے ہرگز کسی قانون کی یہ ملت اور یہ غرض نہیں کہ وہ رعایا اور جماعتوں کو اخلاق کی تعلیم کرے کوئی قانون ملک میں اس غرض سے شائع نہیں کیا جاتا کہ اس ڈیوٹی کو اپنے ذمہ لے جو لوگ اس امر کے امیدوار ہیں کہ اُن کے اخلاق کو قانون درست کریگا وہ ایک سخت غلطی پر ہیں۔ قانون سے نہ تو کوئی قوم درست ہو سکتی ہے اور نہ کوئی انسان قانون کا اجرا محض ملک گیری کی جانب سے حکومت کے احکام کے واسطے ہوتا ہے نہ کہ رعایا کی اخلاقی کمزوریوں کی خاطر۔ قانون ارتکاب یا اقدام جرائم کی صورت میں جو مجرموں کو سزا دیتا ہے وہ اس غرض سے نہیں کہ اُن کے اخلاق اور خصلت درست ہوں۔ بلکہ اس غرض سے کہ ملک پُر امن رہے اور ہر ایک شخص آزادی سے رہ کر بسر کرے۔ ہر ایک قوم کی حالت اُس وقت درست ہو تی ہے جب خود قوم کے لوگ اپنے اپنے اخلاق کی اصلاح اور درستی کریں جب تک خود ایک قوم میں فلاح اور سوشل رفارم کا مادہ حرکت نہ کریگا تب تک حکومت کی دست اندازی اور دخل سے ایسی اصلاحات کی توقع یا امید رکھنا عقلمندی اور دور اندیشی سے سراسر بعید ہے ؎

قانون ہیں بیشتر یقیناً بیکار
جا سا کہ ہوا نہ نظم عالم کا مدار

جو نیک ہیں ان کو نہیں حاجت انکی
اور بد نہیں بنتے نیک ان سے زنہار

بلکہ اگر غور کی نگاہوں سے دیکھو گے تو معلوم ہو جائیگا کہ ہر ایک ملکی قانون ایک

طرح کی روکیں اور داؤ فریب کو ترقی دینا ہے جب مجرموں کو قانونی مزاحمتوں کے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی سوجھتی ہے تو وہ وسائل جائز و ناجائز کے کام میں لانے سے کبھی بھی نہیں چوکتے۔ ہر ایک قسم کے فریب اور حیلہ وعذر کو کام میں لاکر عدالتوں کے پنجہ سے رہائی کی کوشش کرتے ہیں کیا اس وقت ہندوستان کی قومیں قانون سے درست ہوسکتی ہیں کبھی نہیں قومی اصلاحوں اور مساعی سے یہ مراد مل سکتی ہے +

جماعت

دُنیا کا میدان ایک ایسا وسیع میدان ہے کہ اُس پر جہاں تک نظر کی جاتے نئی نئی باتیں اور نئی نئی حقیقتیں ہی دکھائی دیتی ہیں انسانوں کی نگاہیں اگرچہ بہت وسیع ہیں لیکن قدرتی مخترعات اور عجائبات بھی اس قدر کثیر اور وسیع ہیں کہ اُن کا شمار اور احصا بھی مشکل ہے ہزاروں شخص ایسے گذرے ہیں جنہوں نے سرعت اور جرات کے ساتھ اس قدرتی میدان کو لمبے لمبے ڈگوں سے ناپنا چاہا مگر جب وہ تھک کر رہ گئے تو اُنہیں معلوم ہؤا کہ میدان کا ایک گونہ بھی پیمائش نہیں ہوا۔ اس میدان میں ہزاروں ہی مختلف رنگ اور قسم کی جھونپڑیاں دکھائی دیتی ہیں اگرچہ ہم اُنہیں دور سے بے آباد اور ویران سمجھتے ہیں مگر در اصل اُن میں بھی آبادی ہوتی ہے قدرت کا انتظام ایسا سلیس اور پُرمعنی ہے کہ انسان نے درحقیقت اُس کو اب تک نہیں سمجھا اور نہ اُسے پورے طور پر وہ سمجھ سکتا ہے +

دُنیا کا انتظام اور سلسلہ ایک دوسرے سے ایسا جکڑا ہوا ہے گویا اُن میں قدرتی جماعت بندی ہے اگرچہ ہم ظاہر میں ایک دوسری طاقتوں کو ایک دوسرے سے جُدا خیال کرتے ہیں مگر در اصل اُن کا شیرازہ ایک ہے۔ دُنیا میں کوئی ایسا فعل نہیں ہے جو اکیلا اور تن تنہا ہو۔ دُنیا میں کوئی ایسی نیکی نہیں جس کا نتیجہ ایک ہی شخص ہو۔

دُنیا میں کوئی ایسی بدی اور بُرائی نہیں جو تنہا ہو جس طرح ایک سبزی فروش کی ٹوکری کی سبزی کا ہر ایک شخص خریدار اور آرزومند ہے اسی طرح یہ دُنیا کی ہر ایک بات اور ہر ایک امر کے خریدار جماعت بندی کے ساتھ ہیں۔ اگرچہ کوئی کیسا ہی جدید خیال کیوں نہ پیدا کیا جاوے اور وہ اپنی جدت سے کیسا ہی قابل ندرت ہو لیکن اگر تفحّص کی جاوے تو ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ وہ اکیلا ہی نہیں بلکہ اُس کی بھی ایک جماعت ہے +

قدرت نے ایسی کشش رکھی ہے۔ کہ کسی طاقت اور کسی جزو کو اکیلا نہیں چھوڑتی ہر ایک سلسلہ میں ایک جماعت بندی ہے اگر دُنیا کے میدان میں خدا کے ماننے والوں کی جماعت ہے تو دہریوں کا بھی ایک گروہ ہے اگر نیکی کے ہادیوں کی ایک جماعت ہے تو بدی کے پرستاروں کی بھی ایک جماعت اور گروہ موجود ہے کوئی صورت اور کوئی خیال لے لو تمہیں خود بخود یہی پتہ مل جائیگا کہ اِس میدان میں اکیلے چھوڑے کوئی نہیں۔ سب جھوڑیاں ایک قطار اور ایک سلسلہ میں ہیں ہر ایک آبادی کے لئے ایک سلسلہ اور ایک قطار رہے یہی سبب ہے کہ دُنیا کے میدان یا گلزار سے ان مخالف رنگ و بُو کا قلع قمع نہیں ہوتا۔ اگر ایک خیال ہو تو اُس کو زور یا تدبیر سے عالم نیستی میں لایا جاسکتا ہے لیکن اگر ایک زمانہ میں اس کے اجزا موجود ہوں تو پھر ایسا کرنا ناممکن ہے۔ اچھی جماعت اگرچہ دُنیا کی سرزمین میں پائداری اور استحکام حاصل کرتی ہے لیکن بُری بھی اِن برکتوں سے محروم نہیں ہوتی +

یُورپ میں فرقۂ انارکسٹ یا نہلسٹ کا وجود گو ایک بڑے درجہ کا خراب فرقہ ہے لیکن دیکھو اُن کی بھی ایک کثیر جماعت ہے اور وہ تقریباً یورپ کے ہر ایک حصہ میں پھیل گئی ہے۔ اگرچہ فرانس گورنمنٹ ان کو بزور سے دور کرنا چاہتی ہے لیکن قدرتی حملوں کے نشانوں سے پایا جاتا ہے کہ ایسا ہونا مشکل دکھائی دیتا ہے کیونکہ ان کے اجزا ہر ایک میں موجود ہونگے ہاں اُن کا زور بند ہوسکتا ہے لیکن واقعی بربادی قیامت کو ہی ہوگی +

اِس عجیب مدنی جماعت بندی سے انسانوں کو یہ فائدہ ہے کہ وہ اپنے اپنے کاروبار میں بے خلل ذہن مصروف رہتے ہیں اور اُن کو دکھ درد کبھی ایک اطمینان اور تسلی رہتی ہے کوئی شخص جب عدالت کے کمرے سے قید ہو کر جیل کو چلا تو بہت رویا اور اس نے عدالت کے کمروں میں صرف اپنے آپ کو اس مصیبت میں مبتلا پایا جب وہ جیل کے احاطہ میں گیا اور وہاں جا کر ہزاروں میں اپنے تئیں بھی اُس حالت میں دیکھا تو بہت ہنسا اور کہا کہ میں ہی اِس سلسلہ میں نہیں ہوں میری بھی ایک جماعت ہے۔

سچ ہے دُنیا کی بڑی کُھلی طاقتوں کا قیام صرف سہارے پر ہی ہے اگر انسان کو سہارا نہ ہو تو وہ کیونکر جی سکتا ہے پس یہی اصول جماعت بندی کا ہے۔

ایک عمدہ نام

رفتی بہ بزم غیر نکو نامی تو رفت ۔۔۔ ناموس صد قبیلہ نیک نامی تو رفت

افسوس اگر فرشتہ نکو گو ید جہ سُود ۔۔۔ در شہر ہا حکایت بدنامی تو رفت

ایک کہاوت ہے کہ انسان عمدہ نام سالوں کے بعد پیدا کرتا ہے اور ایک منٹ میں کھو دیتا ہے۔

واقعی اگر غور کی جائے تو یہ کہاوت درست اور صحیح ہے عمدہ نام اور عزت کا پیدا کرنا ایسا ہے جیسے ایک عالیشان محل کا بنانا ایک عالیشان محل بڑی لاگت اور محنتوں اور جانکاہی سے بنتا ہے لیکن اگر اُسے مسمار کرنا چاہیں تو ایک ہی دم میں مسمار ہو کر نابود ہو جاتا ہے یہی حال نیکنامی اور عزت کا ہے نیکنامی ہزاروں جھگڑوں اور زحمتوں کے بعد پیدا ہوتی ہے اور ایک دم میں خراب اور ابتر ہو جاتی ہے۔

ایک حکیم کہتا ہے کہ زندگی میں انسان کی عزت اور اعزاز ایک شیشہ ہے جہاں اُسے ٹھیس لگی بس ٹوٹا صرف وہی نہیں ٹوٹتا بلکہ اگلی پشتوں کو بھی زد پہنچاتا ہے۔

اعمال ہی سے عزت اور نام بنتا ہے اور اعمال ہی سے بگڑتا ہے بمصداق اس کے جس پانی میں جو تیر رہا ہے اُسی میں ڈوبتا ہے۔ ترقی اور تنزل کے واسطے اعمال ہی ہمہ تا ہیں زیادہ اعمال کی عمدگی اور غیر عمدگی کا دار ومدار یہ ہے کہ نیک صحبت انسان کو نیک بناتی ہے اور بد بد۔ اگر عمدہ نام پیدا کرنا چاہتے ہو تو نیک صحبتوں میں رہ کر نیک اعمال پیدا کرو۔

اگر نیک نامی سے بدنامی کا دھبہ لگ جائے تو پھر وہ مٹتا نہیں اور نیکی کہیں دور جا کر حاصل ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ پھر انسان پر وہ موقع آئے یا نہ آئے کوشش کرو کہ جو ایک دفعہ عمدہ نام حاصل ہو چکا ہے وہ اخیر زندگی تک قائم رہے تو پھر کوئی خوف نہیں ورنہ اس دنیا میں ٹھہرنے کا ڈر بھی رہتا ہے۔

راز اور آزادی

ہر ایک شخص بجائے خود اپنی حفاظت کرتا ہے حکومتیں اور بادشاہ دوسرے بادشاہوں اور حکومتوں سے حفاظت اور بچاؤ کرتے ہیں اور ہر ایک انسان دوسرے فرد انسان سے ذاتی حفاظت کرتا ہے اس حفاظت کو دوسرے لفظوں اور دوسرے معنوں میں انسان کی شخصی آزادی کہہ سکتے ہیں ہر ایک انسان اور ہر ایک ذات کے واسطے اپنی زندگی میں دو حصے ہوتے ہیں ایک وہ حصہ جو دوسروں میں پیش کرنے کے قابل ہے اور ایک وہ جو اپنی ہی ذات سے مخصوص ہے۔ انسان اپنے واسطے اپنی زندگی میں بہت سی باتیں کرتا ہے جو گویا اُس کی محافظ اور نگران ہیں ایسی باتوں کو انسان کا راز کہا جاتا ہے۔ داناؤں نے کہا ہے کہ انسان پر راز کا مخفی رکھنا از حد ضروری ہے اگر وہ راز کو کھول دیگا تو گویا اُس نے اپنی آزادی کو کھو دیا۔ جو شخص اس بات کو جو ابھی اظہار کے قابل نہیں عام طور پر ظاہر کر دیتا ہے وہ اپنی آزادی پر حملہ کرتا ہے۔ اگر انسان ایسا

کرے تو اُسے ثابت ہوجاویگا۔ کہ واقعی راز کا اظہار اپنی آزادی کو گرد پہنچاتا ہے۔ جو امر ہمارے حق میں بصورت اخفا کے مفید ہے اگر ہم اُس کو ظاہر کردینگے تو اس سے دوسرے لوگوں کو ایک علم ہوجائیگا اور اس سے ہم اپنی حفاظت کو جو آزادی کے ساتھ ہے کھو بیٹھینگے اگرچہ خاص لوگوں کے پاس ایسے رازوں کا بھی اظہار کرنا پڑتا ہے لیکن عام اظہار سے وہ اظہار مراد ہے کہ جو ناجائز طور پر کیا جاتا ہے +

انسان آسانی سے خیال کرسکتا ہے کہ جب تک اُس نے اسرار کو قابو اور حفاظت میں رکھا ہے تب تک وہ آزاد ہے لیکن جوں ہی اُس نے وہ اظہار کیا اُس کی آزادی میں ایک بین فرق اور انقلاب پیدا ہوگیا یا تو وہ آزادی سے پھرتا تھا اور یا اُسکا چھپا پھرتا ہے۔ اگر تم اپنی آزادی کھونا چاہتے ہو تو راز کو اظہار کرو اور اگر آزاد رہنا چاہتے ہو تو راز کی حفاظت کرو +

اپنی پہلی حالت

چناں نماند چناں نیز ہم نخواہد ماند

ایک حکیم کہتا ہے کیا تم اپنی پہلی حالت پر غور نہیں کرتے۔ جو لوگ خدا پرست اور موحد ہیں وہ اس فقرہ کو اُن اعلےٰ معنوں میں لے جاتے ہیں کہ انسان کو ہر ایک وقت میں اُس ابتدائی اور محدود حالت پر غور کرنا چاہئے جو اُسے تولید سے پیشتر گو بالنیت پدر میں حاصل تھی اُس سے اس کو پتہ لگ جائیگا کہ وہ درحقیقت کیا تھا اور اب اس کے چند انتقالات کے بعد کیا حالت اور صورت ہوگئی ہے دنیا داروں اور اخلاقی پرستاروں نے اس کو یوں تعبیر کیا ہے کہ انسان کو ہمیشہ اپنی پستی پر نظر رکھنی لازم ہے ہر ایک انسان خواہ جدی ہو اور خواہ جدید امارت اور ریاست رکھتا ہو ایک پست حالت سے عروج اختیار کرتا ہے پہلی حالت اس کی وہ نہیں ہوتی جسے عروج کہا جاتا ہے اگرچہ ایک بادشاہ اور ڈیوک باپ کی جگہ لیتا ہے مگر پھر بھی

اس کے واسطے وہ باپ کا درجہ اور باپ کی امارت بہ نسبت پہلی حالت کے ایک خاص ترقی ہے اور اس ترقی کے مقابلہ میں گویا پہلا حال نسبتاً اس کے واسطے پستی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور صورتوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ہر پستی اور بلندی میں ایک نسبت اور ایک درجہ ہے۔ حکیم کے قول کا مدعا یہ ہے کہ خواہ کسی قسم کی پہلی حالت سے انسان ایک دوسری عمدہ حالت حاصل کرے اُسے وہ پہلی حالت ضرور ہی زیر نظر رکھنی لازم ہے۔ یہ حالت ابتدائی اس واسطے نہیں یاد دلائی جاتی کہ اس سے انسان کو اپنی ترقیات کے دیکھنے اور انہیں ثمر دینے کا موقع ملے بلکہ اِس واسطے کہ انسان کو اس بات کا علم رہے کہ ہر ایک حالت کے بعد اور حالت بھی ہے اگر وہ پہلی حالت نہیں رہی تو یقین کر لینا چاہئے کہ کسی صورت میں دوسری حالت بھی نہ رہیگی۔ اس سے انسان کو ترقی اور عروج کی حالت میں یہ عمدہ سبق ملتا رہیگا کہ اس کی دماغی قوتوں میں غرور اور تکبر اور رعونت کی نامبارک روح حلول نہیں کریگی اور اس کا دل اور دماغ ایک صحیح حالت میں رہیگا۔

اکثر انسانوں نے عروج اور ترقیات کی ڈگری حاصل کی مگر بعد کو رعونت اور تکبر میں غرق ہو کر انہیں ایسی پستی اور ندامت دیکھنی پڑی کہ الاماں اگر ایک شخص کا سیاہ داغ کسی دوا سے سفید ہو جاوے تو ضرور ہے کہ وہ زائل شدہ سیاہی کو بھی یاد رکھے اگر اس سیاہی کو یاد نہیں رکھیگا تو وہ سیاہ رُوؤں کو ضرور تحقیر کی نگاہ سے دیکھیگا جو اس کے لئے ایک عُجب آمیز خیال ہوگا۔ بہت سے امیر کیوں بد دماغ اور خر طبیعت ہو جاتے ہیں اس واسطے کہ وہ اپنے کاموں کا دور اندیشی سے موازنہ نہیں کرتے جب اُنہیں ترقی اور بلندی ملی ہے تو گویا وہ اُس کو بابا آدم سے خیال کر کے اپنا پدری ورثہ سمجھتے ہیں یہ دیوانگی اُن کو برائیوں اور اخلاقی کمزوریوں میں جا پھنساتی ہے اُن کی بلند اور متکبر نظروں میں دوسرے لوگ کیڑے مکوڑے اور ہیچ و پوچ معلوم ہوتے ہیں یہ طریق عمل اُن کا اُن کو دنیا کے بازار میں چند روز گراں ثابت کر کے آخر کو ایسا سبک اور ارزاں دکھاتا ہے کہ انہیں خود ہی اپنے وقار اور عزت کا نرخ معلوم

ہو جاتا ہے اور پھر وہ اپنے دلوں میں خیال کرتے اور سوچتے ہیں کہ دراصل ان کے خیالات
اور بلند پروازیاں محض چند روزہ ہی تھیں اس وقت اُن کی حالت خوفناک ہوتی ہے
اُس کا موازنہ وہی کرتے ہیں۔ ایک بڑی آفت اُن کے حق میں یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے
اس عروج اور ترقی کی حالت کو اپنا ایک سیڑھی ورنہ سمجھ بیٹھے تھے اب جب وہ بدریج
درجہ اوروں کی طرف بتدریج منتقل ہوتا ہے تو اُن کو ایک تعجب معلوم ہوتا ہے اگر وہ ابتدا
ہی میں اپنی پہلی حالت اور گزشتہ فوٹو کو مدنظر اور پیش نگاہ رکھتے تو انہیں کیوں اس قدر
ابتری اور ندامت اٹھانی پڑتی۔ ہم لوگوں کو اس حکیم کا جس نے کہا "کیا ہم اپنی حالت پر
خیال نہیں کرتے" نہ دل سے مشکور ہونا چاہئے کہ اُس نے خواب غفلت سے جگایا ہے ہم میں
سے ہر ایک شخص کو یہ کہنا چاہئے کیا میں پہلے ایسا ہی تھا۔ کیا یہ حالت تبدیل ہونے کی
ہیں۔ دہلی کے بادشاہ مرحوم نے کیسا اچھا کہا ہے ؎

ظفر آدمی اس کو نہ جانیگا وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکاء
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

خوشامد

یہ کون نہیں چاہتا کہ اُس کے پاس کوئی نہ آئے یا اُس کی عزت اور آؤ بھگت نہ کرے
یہ تو شاید ہر ایک شخص کی مرتے دم تک خواہش ہوگی کہ اُس کا وہ تمام لوگوں کا مرجع ہے
اور تمام دنیا اُس کی عزت کرے اگر اس قدر حق ظاہر کیا جائے تو کوئی عیب نہیں ہے کیونکہ
یہ ہر ایک انسان کا طبعی جوش یا طبعی حق ہے لیکن عیب اس میں ہے کہ جب کسی کی ذات
میں کوئی وجاہت یا کوئی لیاقت نہ ہو تو اُس کی دوسروں سے آرزو رکھی جائے اگر ایک شخص
یہ آرزو رکھتا ہے کہ اُس کے پاس جو شخص آئے وہ اُسے ایسے الفاظ سے یاد کرے کہ جو
اُس کی حالت پر چسپاں نہیں ہیں یا اُس کے ساتھ اخلاق و تعظیم میں ایسا سلوک کرے کہ

خود حقیقت اس کا حق نہیں ہے تو واقعی وہ دوسروں سے اپنے حق سے بڑھ کر مانگتا ہے اور اس زیادتی میں وہ گویا دوسروں کے حق تلفی کرتا ہے یہ کوئی مشکل امر نہیں کہ انسان اپنے حقوق کو خود ہی وزن کرے کیونکہ جیسے سورج آفتاب ہر روز آسمان پر طلوع کرتا ہے ایسے ہی ہر ایک حق خود ہی حقدار پر ہر روز اور ہر شام کو طلوع ہوتا ہے اور منادی کرتا ہے کہ میں فلاں کی ملکیت میں دیا گیا ہوں واقعی ہر ایک شخص کو اُس قدر دیا جاتا ہے کہ جس قدر کا وہ حقدار ہے جو زیادہ طلب کرتا ہے وہ خوشامد کو جائز رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ افترا و جھوٹ سے اُسے چندے راضی اور خوش دیکھیں یہی باعث ہے کہ جب وہ شخص یعنی خوشامدی کسی وجہ سے اُن ناجائز اور جھوٹے الفاظ اور طریق عمل کو واپس لیتا ہے تو وہ دوسرا شخص اُس سے ناراض ہو جاتا ہے اور خود ہی اس کو ایک بد خصال کہنے لگتا ہے اور کہتا پھرتا ہے کہ فلاں شخص بڑا خوشامدی ہے اگر یہی الفاظ اس کی بابت پہلے ہی روز اطلاق ہوتے تو شاید اس قدر دھوکا نہ کھاتا۔ درحقیقت خوشامد پسند خود دھوکا کھا کر خوشامد کرنیوالے کو بھی ایک دن کے لئے دھوکا اور فریب دیتا ہے ٭

نظر پر دماغ کا اثر

انسان کے اعضائے رئیسہ میں سے دماغ ایک ایسا عضو رئیسہ ہے کہ اس پر انسان کی ترقیات اور نازک خیالیوں کا بہت کچھ انحصار ہے اگر کبھی انسان کا دماغ درست اور صحیح نہ ہو تو وہ دماغی طاقتوں سے خوش اسلوبی اور صحت کے ساتھ کام نہیں لے سکتا ہے قوت حافظہ جس پر انسان کے اکثر امور اور ضروریات کا مدار ہے دماغ ہی کے متعلق ہے یہی وجہ ہے کہ جب کبھی دماغ مضروب یا ماؤف ہو جاتا ہے یا اُس پر غموم اور ہموم کا بار ہوتا ہے تو یادداشت درست نہیں رہتی ٭

ایسی حالتوں میں قوت حافظہ پر اثر پڑتا ہے ایسے ہی نظر اور بصارت بھی متاثر

ہوتی ہے اگر انسان کے دماغ کی حالت درست اور صحیح نہ ہو تو بصارت میں بھی گونہ تفاوت یا فرق آجائیگا۔ اور وہ حدت اور تیزی جو بصارت میں ہر وقت موجود رہتی ہے تھوڑی دیر کے لئے کافور ہو جائیگی اُس حالت میں جو اشیا انسان کے سامنے پڑی ہوئی ہیں وہ بھی نظر سے باہر دکھائی دیتی ہیں اگرچہ اُس وقت ایک شے یا چیز سامنے ہوتی ہے مگر نظر اُس پر ٹکتی نہیں ہے اور انسان خیال کرتا ہے کہ وہ شے مطلوبہ موجود نہیں ہے تھوڑی دیر کے بعد وہی شے وہاں ہی رکھی ہوئی دکھائی دینے لگتی ہے یہ بصارت کا قصور نہیں اور نہ اُس شے کو کوئی دوسرا اُٹھا رکھا ہے اُس وقت انسان کے دماغ پر کسی قسم کا بار ہوتا ہے اور اُس کی حالت درست نہیں ہوتی اِس باعث انسان چوک جاتا ہے جب وہی دماغ اپنی حالت اصلی اور صحیحہ پر آجاتا ہے تو بصارت بھی عمدگی اور صحت پر آ رہتی ہے جن لوگوں کو لکھنے پڑھنے اور علمی امور سے زیادہ تر کام پڑتا ہے اُن کے واسطے بصارت کی حفاظت کے ساتھ دماغ کی درستی اور صحت بھی ضروری ہے +

قدرت اپنا کام کر رہی ہے

اگر ہم چاہیں کہ قدرتی حملوں کے دفعیہ یا روک کے واسطے کوئی سبیل اور حیلہ عمل میں لائیں تو یہ بات ہی مشکل ہے ہم اپنی دانست میں ایک روک کرتے ہیں اور اس طرف سے بیسیوں شگوفے اور کھل جاتے ہیں قدرت ایک در بند کرتی ہے اور سو در کھول دیتی ہے۔ انسان تھک کر اور عاجز ہو کر آخر رہ جاتا ہے ایک فلاسفر لکھتا ہے کہ میں چھوٹے چھوٹے سوراخوں اور سوتوں کو بند کرتا ہوں اور بجائے اُن کے اور بڑے بڑے مُنہ کھل جاتے ہیں جس سے مجھے اخیر پر یقین کرنا پڑتا ہے۔ کہ میں قدرت کے حملوں کو روک نہیں سکتا"۔ انسان بہتیری کوشش کرتا ہے کہ مُنہ مانگی مراد حاصل کرے اور قدرتی حملوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ لیکن افسوس اس کو اس میں

ذرا بھی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ جب ملکوں اور دنیا میں آئے دن کی لڑائیاں اور روز کے خون خرابے اور کشت خون تھے اس وقت تمام لوگ استدلال کرتے تھے کہ دنیا چین سے کیونکر رہے۔ روز کی لڑائیاں اور ہر وقت کے کشت وخون پیدائش کو لگاتار نیستی کے کھاتوں میں دباتے جاتے ہیں اگر ملک اور دنیا میں امن اور امان ہو تو کوئی ترقی ضرور ہو سکتی ہے اور لوگ اپنی عمر طبعی اور پوری زندگی کو بھی پہنچ سکتے ہیں خدا نے دنیا کو اب قریباً یہ امن کا زمانہ بھی بخش دیا ہے بہ نسبت پہلے منحوس دنوں کے اب ساری دنیا میں عموماً آرام اور آزادی ہے بادشاہ سے لے کر غریب تک پوری امن سے زندگی بسر کرتا ہے تمام راستے امن کے ساتھ مسافر کو رخصت کرتے ہیں ہزاروں میل کا سفر تو رے چین سے ہو سکتا ہے آگے کے لوگ راہوں اور منزلوں میں ہتھیلی پر جان رکھ کر سفر کرتے تھے اب بجائے اس کے ہاتھ میں موتی اور روپیہ اچھالتے جاتے ہیں کوئی تردد اور کوئی فکر نہیں ہے ہر ایک قسم کی حفاظت اور نگرانی کی جاتی ہے انسان کی ہر ایک جگہ پر پوری قدر ہے گو بعض بعض حصص دنیا میں اب تک پرانی تاریکی کے نشان پائے جاتے ہیں مگر کجا وہ پہلی اندھا دھند اور کجا یہ حالت۔ زمین و آسمان کا فرق ہے قدرت نے ظالموں کے ہتھیاروں اور سیسہ کی گولیوں اور فولادی تلواروں سے تو دنیا والوں کو امان دے دی۔ اب آئے سال قحط اور وبا اور زلزلے اور ریل کے تصادم اور مہذب دنیا کے بم اور ڈائنامیٹ کے خطرناک تماشے وہی کمی پوری کر رہے ہیں جو گذشتہ زمانوں میں حساب میں لی جاتی تھی اگر گذشتہ زمانوں کی موتوں کا اس زمانہ کی اموات سے مقابلہ کیا جائے تو کچھ بیشی ہی رہیگی۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ اگر قدرت ایک مہلک اثر کو دنیا سے اٹھاتی ہے تو بجائے اس کے ایک دوسرا وسیلہ موت لا کھڑا کرتی ہے! اگر قحط دور ہوتا ہے تو وبا آجاتی ہے اور اگر وبا دور ہوتی ہے تو قحط اور زلزلے دنیا میں جھاڑو دیتے ہیں ان واقعات سے صحیح طور پر پتہ لگتا ہے کہ ہم قدرتی حملوں کے روکنے سے عاری اور

لاچار ہیں۔ اگرچہ ہم بعض وقت قدرتی موجوں اور لہروں کی تھوڑی دیر کے لئے رخ گردانی کر دیتے ہیں مگر وہی کامیابی ہمیں ایک روز سخت تر بلا میں جا پھنسانی ہے۔ کیا ہمیں ایسی صورتوں اور کمزوریوں میں عمدہ وسائل کے نہ ہونے سے رک جانا چاہئے نہیں نہیں ہمیں رکنا لازم نہیں۔ قدرت اپنے عمل سے ہمیں یہ بھی سکھاتی ہے کہ حرکت میں ایک برکت ہے تم جہاں تک مزاحمتوں اور حملوں کا مقابلہ کر سکتے ہو کرو تمہارا یہی کام اور یہی فرض ہے۔ درحقیقت قدرت کی اس نصیحت کے مطابق ہمیں ہر وقت بتقاضائے بشریت اپنی بہبود کی تلاش میں رہنا چاہئے اس خیال سے نہیں کہ ہم خدانخواستہ قدرت کا مقابلہ کر سکتے ہیں یا قدرت کے ساتھ ہمیں برابری کا دعوے ہے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ ہر ایک طاقت کو حالت خود اختیاری اور مناسب تدبیر کا حق حاصل ہے یہ بھی تو ممکن ہے کہ قدرت ہی اس میں ہماری مددگار اور معین ثابت ہو کیونکہ قدرت ہمارے وسائل میں بھی تو شریک اور دخیل ہے۔

ایک وسیع خاندان کا باہمی تعلق

دانا کہتے ہیں کہ جب خاندان یا گھرانہ میں الفت اور یکجہتی نہ ہو تو وہ کسی روز کو اس دنیا یا اس آبادی سے بوریا بدھنا اٹھا دار الفنا کو رخصت ہو جائیگا ہم اس مقولہ کی اس دنیاوی گھرانوں میں تصدیق اور نمونے بھی پاتے ہیں۔ ایک نہیں ہزاروں ہی ایسے گھر ہیں جو اپنی نااتفاقی اور پھوٹ کی بدولت اپنی ہستی کو خیرباد کہہ کر ہمیشہ کے لئے دوسری دنیا میں چلے گئے ہیں اگر ہمارے ہاتھوں میں تمام ہندوستانی خاندانوں کی کوئی مکمل فہرست ہوتی تو ہم علیحدہ علیحدہ اس سے بتلا سکتے کہ اس قدر گھرانوں کو خزاں نااتفاقی نے چٹ کیا ہے اور اس قدر قریب چٹ ہونے کے ہیں۔ یہ بات مانی گئی ہے کہ خزاں جیسے چھوٹے درختوں اور گل و بوٹے پر ہاتھ صفا کرتی ہے ایسے ہی بڑے بڑے

جُھنڈوں اور درختوں پر اس کی کرما ہوتی ہے۔ جب خزاں آتی ہے تو کسی چھوٹے بڑے
درخت باگ ساں کے ساتھ مروت سے پیش نہیں آتی اور سب کو ایک ہی ہتھے چڑھا کر
فنا کرتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس کے مقابلہ میں جب بہار صاحبہ تشریف لاتی ہیں تو
اُن کی مہربانی اور بخشیش خاص خاص صورتوں پر ہی ہوتی ہے پر بہار فیاض تو ہے
مگر دیکھ دیکھ کر ہی فیاضی ہوتی ہے۔ خزاں اور بہار پر کچھ موقوف نہیں ہے اقبال اور
ادبار کے بھی یہی لچھن ہیں اقبال کا ٹیکا تو ماتھے پر دیکھ دیکھ کر ہی لگتا ہے اور وہ
تلک کسی کو ہی نصیب ہوتا ہے لیکن جب ادبار کا دور دوراں ہوتا ہے تو ہزاروں
بندگان خدا مارے مارے پھرتے ہیں۔ جب کسی قوم کے ادبار کے دن آتے ہیں تو سب
چھوٹے بڑے گھرانوں پر ایسی وحشت اور بدتری سے ادبار کی آندھی آتی ہے کہ سب کے
سب ایک ہی آن میں برباد اور خراب ہو جاتے ہیں۔ جیسے چھوٹے چھوٹے خاندان اور گھرانے
ہیں ایسے ہی اس دنیا میں ایک بڑا وسیع خاندان بھی ہے۔ اس خاندان کو اور چھوٹے
خاندانوں کی طرح مختلف ناموں سے موسوم نہیں کیا جاتا بلکہ وہ ایک ہی نام سے موسوم
ہے ملکوں کے اعتبار سے اس کو چند جُدا ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انسانی جماعتوں
کو یہ خیال رہتا ہے کہ اُن کے چھوٹے خاندانوں میں نفاق اور ابتری کی ہوا نہ چلے مگر
انہیں اس امر کا خیال نہیں کہ ایک بڑا خاندان نفاق اور اختلاف کے جھونکوں سے تباہ
ہوا جاتا ہے ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں اور دیگر قوموں کا ایک بڑا خاندان آباد ہے
اس میں روز بروز تنزل ہوتا جاتا ہے جو برکت ایک وسیع خاندان کے اتفاق اور اتحاد میں
ہے وہ اُڑتی جاتی ہے اور دن بدن ہندوستان میں ایک تاریک صورت قائم ہو کر انسانوں
کو فنا کر رہی ہے۔ جب تک ہندوستان کا یہ وسیع خاندان اور مضبوط قبیلہ درستی
اور صلاحیت سے نہ رہیگی تب تک اس میں وہ عمدگیاں اور برکتیں جو ایک وسیع خاندان سے
قوموں میں پھیل سکتی ہیں کبھی نہ پھیلینگی یورپ کو دیکھئے خاندانوں نے اس

موجودہ عروج پر نہیں پہنچایا بلکہ اس وسیع خاندانوں نے جو اس وقت تمام یورپ میں بحیثیت مشترکہ پایا جاتا ہے۔ یورپ کے ملکوں میں تمام ملک کو ایک ہی خاندان سمجھا جاتا ہے جب تک یہ یکجہتی اور اتحاد ہندوستان میں نہ پیدا ہوگا تب تک کوئی امید بہتری اور بہبودی کی نہیں کی جا سکتی۔ اگرچہ ہندوستان میں دو قومیں ہندو اور مسلمان کی پائی جاتی ہیں مگر مذہب کو ہمیشہ خیال سے تعلق رہا ہے۔ عام معاملات میں دھرم یا مذہب کسی صورت میں دخیل نہیں ہو سکتا۔ اگر اس اصول پر کہ اس ملک میں بھی ایک وسیع خاندان رہتا ہے باہمی صلاحیت ہو تو برکت ہی برکت ہے +

عشرت

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے ہر قہقہہ پیغام بکا ہوتا ہے

کس انسان کا دل نہیں چاہتا کہ عیش و عشرت میں زندگی بسر کرے اور کون بشر اس امر کا خواہشمند نہیں کہ اس کا ہر ایک وقت خوشی اور خرمی میں گزرے۔ انسان کی طبیعت میں ہی یہ امر کوزا اور مسفوس ہے کہ وہ ہمیشہ سہولت اور اس چین میں رہے جس کو اس کا دل چاہتا ہو۔ یہ صورت تو طبعی ہے۔ اس سے کسی انسان کو گریز نہیں۔ اور نہ اس سے کسی کو منع کیا جا سکتا ہے +

جو شخص اس قدر عشرت بھی نہیں رکھتا وہ گویا اپنی زندگی کو ایک قید خانہ میں گزارتا ہے جہانتک عقل اور شعور اجازت دیتا ہے وہ صورت عیش کی مباح اور معقول ہے لیکن جو صورتیں اور طریقے حد سے گزر کر ہوتے ہیں اور جن میں انسان برے اور مکروہ خیالات سے کام لیتا ہے وہ عشرت اور عیش نہیں ہوتا بلکہ مصیبتوں کا مقدمہ گو ابتدا میں اس کا خیال نہیں ہوتا مگر جب وقت مقررہ آتا ہے تو ایسی کرکری ہوتی ہے کہ گویا اس عیش و عشرت اور زہر ہلاہل کا اثر یکساں ہو جاتا ہے۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ بہت ہنسنے کے بعد انسان کو

رونا ہوتا ہے اسی طرح یہ مقولہ بھی ہے کہ عیش اور عسرت کے بعد انسان پر ادبار اور مصیبت کی روح سوار ہوتی ہے۔ ہر ایک امر اور وہ طریقہ جو قدرتی حدود سے باہر ہے اور جسکو انسان کی قوت ضمیری نہیں چاہتی اور ہمیشہ اخیر پر برا اور مکروہ ثابت ہوتا ہے۔ اور اُس کا ثمرہ اُس کے حق میں ایسا برا نکلتا ہے کہ جیسے وہ بدو ایام میں خوشی خوشی ہنستا اور رنگ رلیاں مناتا تھا ایسے ہی اب اخیر پر آٹھ آٹھ آنسو روتا ہے قدرت کا قانون ہمیشہ ایک حد پر چلتا ہے اگر ہم غور کی نگاہوں سے قدرتی قوانین کی رفتار کو محسوس کریں تو ہمیں سہولت کے ساتھ یقین لگ جائیگا کہ قوانین قدرتی کسی حال میں بھی حدود سے باہر نہیں ہوتے۔ اگرچہ ہم اُن قوانین کو کبھی کبھی حدود سے باہر جاتے خیال کرتے ہیں لیکن در اصل وہ ہماری نظر یا احساس کا فرق ہوتا ہے۔ قدرتی قوانین اپنی حدود میں متاثر یا محدود رہتے ہیں انسان کے مقتضیات بھی ایک قدرتی قانون کے ماتحت ہیں۔ گو انسان کو اُن کی بابت ایک امتیازی قدرت دی گئی ہے مگر تاہم قدرت اُن پر ایک قدرت اور اختیار ضرور رکھتی ہے۔ جب انسان کی اختیارات کا پیمانہ حدود مقررہ سے بڑھ جاتا ہے تو اس وقت قدرت کو دست اندازی کرنی پڑتی ہے۔ اور اُس دست اندازی میں انسان پر ایک تنبیہ یا تادیب کے طور پر ایک آفت اور ادبار آتا ہے اور قدرت اُس کو بچشم حال تنبیہ دکھاتی ہے کہ بیجا ہوئے اور اترانے کا اخیر نتیجہ یا ثمرہ یہ ہوا کرتا ہے۔ افسوس انسان کی اُس وقت آنکھیں کھلتی ہیں کہ جب قدرتی قوانین معاوضہ لینے یا سزا دینے پر غصے کے ساتھ متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اُس وقت اُس کا عرق ندامت میں ڈوبنا یا اپنی حدود میں سکڑنا اور باز گشت کرنا کچھ فائدہ نہیں دیتا قدرت کے تھپیڑے اس سختی سے پیش آتے ہیں کہ عیش و عشرت کا مزہ اور لطف معلوم ہو جاتا ہے اگرچہ وہ ظاہری آنکھوں سے نہیں روتا کیونکہ مصیبت نے اُس کی آنکھوں اور چشم خانہ میں اشک بھی باقی نہیں چھوڑے ہوتے مگر اُس کا دل ایسا روتا ہے کہ اُسکی سوزش ظاہر میں محسوس نہیں ہو سکتی۔ اُس وقت وہ خیال کرتا ہے کہ انسان جب ود

سے باہر چلنا یا قدم رکھنا ہے تو اُس کو کن کن آفتوں اور مصیبتوں کا مقابلہ یا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اُس کا دل بھی اُسے کتنے کتنے قدموں پر آپ ندامت میں غوطے دلاتا ہے +

اگر دوسروں کو دل کے رونے اور آہ وزاری کی آوازیں اور دُکھڑے سنائی دیتے تو بھی نظارہ اور آہ وزاری دوسروں کی عبرت کے واسطے کافی متصور ہو سکتے تھے لیکن افسوس یہ ہے کہ خدا نے دل کی بیتابیوں اور ندامتوں کو اپنی حکمت بالغہ سے صدہا پردوں کے پیچھے دبا رکھا ہے۔ شاید اس میں بھی اُس کی کوئی حکمت ہوگی بہرحال ہر ایک انسان کو اپنی حدود سے باہر قدم رکھ کر ہمیشہ کی آفتوں میں گرفتار نہیں ہونا چاہئے +

خود بینی

انسان کی آنکھیں اور نگاہیں جیسی اوروں پر پڑتی ہیں ایسی اپنے آپ پر نہیں پڑتیں اگرچہ ہر ایک انسان اپنے جسم اور بینائی میں ہی دو دو آنکھیں رکھتا ہے مگر اپنی طرف نہیں دیکھتا اور اگر کبھی دیکھتا ہے تو اُس حیثیت سے نہیں جیسے اوروں کو دیکھتا ہے انسان کو دو آنکھیں اور دو نور بصارت بخشے گئے ہیں۔ ایک کا عمل ظاہری صورتوں سے وابستہ ہے اور دوسری کا اندرونی اور باطنی امور پر مختوی ہے۔ خیال بھی آنکھوں کی طرح اوروں پر جلدی حملہ کرتا ہے مگر اپنی حالتوں کو کم محسوس کرتا ہے۔ جانتا تو ہے کہ اُس کے اندروں میں اس قدر گندگیاں اور بدیاں بھری پڑی ہیں۔ مگر اُن پر غور کرنا اور انصاف کی نگاہ ڈالنا حرام سمجھتا ہے اُس کی ظاہری نگاہیں اور باطنی تصورات ہر دو دوسروں کو ہی عموماً تختۂ مشق بناتے ہیں جسے دوسروں پہ نکتہ چینی کرتا کہتے ہیں۔ وہ گویا ایک مخالفانہ آلہ ہے اُس کا استعمال ہمیشہ دوسروں کی ذات پر ہی جائز اور روا رکھا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اپنی حالت بھی اس قابل ہوتی ہے۔ کہ وہی عمل اُس پر بھی کیا جائے مگر انسان کا یہ خاصہ طبیعت ہو گیا ہے کہ دوسروں کو ہی نشانہ بنایا جائے۔ جن باتوں پہ

نکتہ بینی کی جاتی ہے اور حق کو ایک سخت اور ناانصاف نکتہ چیں بڑا خیال کرتا ہے اُس سے بڑھ کر خود اُس کی ذات میں ایک وسیع سرمایہ جمع ہوتا ہے اور وہ اُس کو ہر روز اپنے اندرون میں دیکھا اور رہتا ہے مگر جب اُن پر بالمقابل دوسروں کے غور کرنے اور نگاہ ڈالنے کا موقع آتا ہے تو اُسی کی نگاہوں میں وہ سرمایہ نیکیوں اور اچھائیوں کا مجموعہ بن جاتا ہے۔ کیا یہ انصاف اور نیکی یا عمدگی کا نشان ہے؟ ہرگز نہیں۔ انسان کا اپنی حالت پر کبھی نہ کبھی نگاہ ڈالنا بھی ایک عبادت ہے۔ جو لوگ خود بینی کی عادت رکھتے ہیں اُنھیں اُس سے فرصت نہیں ملتی۔ ارسطو سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ فلاں کی نسبت کیا رائے رکھتے ہیں اُس نے کیا عمدہ جواب دیا کہ مجھے اپنے سے ہی فرصت نہیں ملتی میں اوروں کی نسبت کیا رائے دے سکتا ہوں۔ کیا ہم ایسا نہیں کر سکتے۔

تبدیل رائے

اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو یہ کہے کہ تم اپنی رائے یا خیال کو تبدیل کر دو تو شاید وہ اس عمل یا درخواست کو بہت ہی بُرا اور مکروہ خیال کریگا اور ممکن ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے اس کا چہرہ اور رنگ بھی مارے غصّہ کے بدل جائے۔ اگر ہم بھی اس حالت کو دیکھ کر سوچینگے تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ حکومت اور جبر کے ساتھ کوئی شخص نہ تو اپنی رائے کو تبدیل کر سکتا ہے اور نہ کسی دوسری طاقت کا یہ حق اور دعوےٰ ہے کہ ایسا کرنے کے لئے اوروں کو مجبور کرے۔ جیسے ہم خود ایک اپنی رائے یا خیال کو تبدیل کر دینا استقامت کے خلاف سمجھتے ہیں ایسے ہی دوسری طاقتیں خیال کر سکتی ہیں اگر ہم خود اس عمل سے کشیدہ ہوتے ہیں تو کیا اور لوگ نہ ہونگے۔ اگر ہماری یہ درخواست یا خیال موزوں اور پسندیدہ ہے تو کیوں نہیں اس کا سب سے پہلے اپنی ذات پر ہی عمل کیا جاتا۔ جو شخص دوسروں کے کہنے پر اپنے خیال کو بلاوجہ تبدیل کر دیتا ہے۔ یا جو شخص ایسی

حالتوں میں خلاف اپنے مذاق کے اپنی رائے کو تبدیل کرے۔ جو شخص یہ الو کھے مزاج رکھتا ہے تو دراصل اس کی تحقیقات اور تدبیر کا میدان بہت وسیع اور خوشنما نہیں ہے۔ ادھر اُدھر کی تجربوں یا تعصبوں سے ایک رائے کی تبدیلی ہو جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ ایسی رائیں ضعیف اور کمزور پاؤں پر قائم تھیں جس طرح کمزور جڑوں کے پودے معمولی جھونکوں سے ہی اپنی قطار میں رو بسجدہ ہو جاتے ہیں اس طرح اس قسم کی بے بنیاد رائیں معمولی تجربوں یا ترغیبوں سے اپنے سلسلہ یا بابہ کو چھوڑ کر متزلزل ہو جاتی ہیں۔ گو کہ کوئی انسانی قانون کسی جبر کو روا رکھتا ہو اور اس کا یہ منشا ہو کہ کسی دل یا متخیلہ میں جبراً کوئی امر منقوش کرا کر اپنا سکہ جمائے۔ مگر قدرتی قانون کبھی ایسے جبر یا اکراہ کو روا نہیں رکھتا۔ دنیا میں جس قدر سلسلے اور امور خدا وند عزّ شانہٗ نے بنائے ہیں اُن سب کو آزاد رکھا ہے صرف انہیں کو آزادی نہیں بخشی بلکہ اُن کے مقابلہ میں انسان اور مخلوقات کو بھی زیور آزادی سے مزین اور مزیب کیا ہے۔ خواہش اور میل تو ضرور انسان کے دل میں پیدا کی گئی ہے مگر قدرتی نمونوں نے یہ ڈیوٹی اپنے ذمہ پر نہیں لی کہ انسان کو اپنے قبول کرنے پر مقہور اور مجبور رکھا کریں وہ انسانی آنکھوں کے سامنے کھلے تو ضرور پڑے ہیں مگر یہ مجال نہیں کہ جبر اور اکراہ کی نظر سے دیکھیں اگر وہ جبر اور اکراہ کرے تو شاید انسان کو اُن کی اس قدر قدر بھی نہ ہوتی اور انسان اُنہیں کبھی آنکھوں سے بھی دیکھنا پسند نہ کرتا۔

اگر بازار کی اشیا یا عمدہ ساختیں خریداروں اور راہروؤں کو جبراً اور اکراہ سے اپنی جانب بلا کر خریدار بنایا کریں تو شاید ایک شئے یا ایک ساخت بھی اپنی خوبی کو ظاہر کر کے اصلی قیمت کو حاصل نہ کرتی اور غریب سوداگر دو چار دن میں ہی بازار یا دکان سے بوریا بدھنا اٹھا کر بربادی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے ایسی نکمی اور منحوس تجارت کو خیر باد کہہ کر چل دیتا۔ دنیا کے بازاروں کی ساختیں اور تجارت گاہیں اُسی صورت میں بارونق اور پُرقیمت ہیں کہ اُن میں جبر اور اکراہ نہیں ہے اور خریدار خود بخود ہی اُن کی عمدگیوں پر ریجھ ریجھ کر

خریداری پر مفتوں اور مائل ہوتے ہیں۔ اگر ان چیزوں کی خریداروں سے درخواست ہوتی تو اُمید ہے کہ ایک خریدار بھی اس کی طرف رجوع نہ لاتا۔ کہا کرتے ہیں کہ مُنہ مانگے تو موت بھی نہیں ملتی ؎

قدرت اور قدرت کے ہوتے یہ نہیں چاہتے کہ اکراہ اور جبر سے کسی کو اپنا شیدا یا دیوانہ بنائیں۔ لوگ یا خریدار خود بخود ہی رجوع لاتے اور خریدار بننے کو دوڑتے ہیں ؎

کسی طاقت انسانی کو یہ قدرت اور حق حاصل نہیں کہ لوگوں اور دوسروں کے خیالات اور رایوں پر جبر اور حکومت کرے۔ ہر ایک شخص اپنی خیالی حکومت میں آزاد اور خود مختار ہے جو چاہے خیال رکھے۔ انسان جیسے آزادی کو خود ہی قبول کرتا ہے ایسے ہی مختلف وسائل اور اسباب کے ظہور اور حدوث سے اس کی خیالی تحقیقاتوں میں تبدیلی بھی آجاتی ہے اگرچہ وہ کوشش کرتا ہے کہ اُس کی پہلی رائے بھی بدستور قائم رہے مگر چونکہ انسان کا علم محدود واقع ہُوا ہے اس واسطے جدید خیالات اور اسباب آخرکار اُس کو مجبور کرتے ہیں کہ پہلی رایوں سے پرہیز کرکے جدید واقعات اور جدید رایوں کو قبول کرے گو ایک مستقل مزاج انسان پر ایسا کرنا شاید بُرا معلوم ہوتا ہو مگر تغیر اور حدوث اسباب کی قوتیں ایسی زبردست ہیں کہ وہ اپنا سکّہ اور حکومت جما کر ہی ٹلتی ہیں۔ ان قوتوں کے ساتھ ایک ہٹ بھی انسان کی عقل پر مستولی ہو کر دوسری راہ پیدا کرتی ہے اس حالت میں انسان ایک بال ہٹ سے اسی پہلی رائے پر قائم رہ کر سالقہ خیال کی ہی پرستش کرتا ہے۔ اگرچہ وہ ظاہر میں ایک مدلل طور پر اس دیوتا کی پوجا کرتا ہے مگر دراصل اس کی قوت ضمیری یا کانشنس زور سے اس کو اس ہٹ سے مانع اور مزاحم نہیں ہوتی۔ اس قسم کے انسان ہمیشہ اقبال حقائق سے دیدہ و دانستہ پہلو تہی کرتے ہیں۔ اس سے یہ بھی کھل جاتا ہے۔ کہ کون شخص باوجود ان قوتوں اور جدید اسباب کے ظہور کے بھی اپنی پہلی رائے یا خیال پر بھی ثابت اور قائم رہے۔ اور یہ اُس کا قیام یا ثبات راستی کے ساتھ ہو محض ہٹ اور ضد کی آڑ پر نہ ہو۔ تو اس صورت میں اس کو

تبدیل رائے پر مجبور کرنا بھی ایک اخلاقی تعرض ہے۔ جب تک کہ اس کو وجوہ اور دلائل کے ساتھ ایسی تبدیلی پر مجبور نہ کیا جائیگا تب تک کوئی اخلاقی قانون اس عمل پر کبھی نہیں کر سکتا۔ ضد اور ہٹ ایک بُرا عمل ہے۔ مگر جب تک اسباب جدیدہ سے ایک شخص پر جدید معاملہ یا واقعہ کا اثبات نہ کیا جائے تب تک اس کو کون کہہ سکتا ہے کہ فلاں فلاں کی خاطر تم کو اپنی رائے کا تبدیل کر دینا ضروری اور لازم ہے۔ جیسے لڑکوں کی طرح خیالی اور وہمی باتوں سے تبدیل کا خوگر رہنا ایک خامی ہے ایسی ہی ضد اور ہٹ سے پرانی باتوں یا خیالات کو اپنے دل میں رکھنا بھی ایک دیوانگی ہے۔ اگر جدید اسباب کافی ہیں اور سمجھ میں آگئے ہیں تو رائے یا خیال کے تبدیل کرنے میں کیا قباحت ہے ورنہ ثابت قدم رہو +

اقبال

سب سے بڑھ کر انسان کو خود اُس کا اقبال مُتکبّر اور مغرور بنا سکتا ہے۔ اگرچہ شراب یا کوئی اور تیز نشہ بھی انسان کی عقل اور ہوش کو تھوڑی دیر کے لئے کھو سکتا ہے مگر انسان کے دماغ پر اقبال کا جس پھرتی اور تیزی سے اثر ہو سکتا ہے ایسا اور کوئی نشہ نہیں ہوتا ہے۔ اور نشے تو تھوڑی دیر کے بعد فرو ہو جاتے ہیں مگر اقبال کا نشہ بہت ہی دیر میں اُترتا ہے۔ انسان کا دماغ ہمیشہ اُس سے بھر پور اور چور رہتا ہے۔ شراب کا نشہ پینے سے چڑھتا ہے۔ مگر اس کا نشہ با اثر تک بلا پیئے ہی رہتی ہے۔ انسان ایسا مخبوط الحواس یا مدہوش یا محو ہوتا ہے کہ اس کے غور اور نگاہوں میں کمال فرق اور تغیر آجاتا ہے۔ وہ اگرچہ دُنیا کو دیکھتا تو اُنہیں آنکھوں سے ہی جن سے اپنے آپ کو دیکھتا ہے مگر اُس کی نگاہیں دُنیا کی حقیقت نہیں سمجھتیں۔ وہ اپنے نشہ میں چور ہو کر اوروں کو دیوانہ اور حقیر شمار کرتا ہے۔ حکیم کہتے ہیں کہ نشہ سے اس لئے پینے والا جلد تر مدہوش ہو جاتا ہے کہ اُس کے اغشیہ دماغ پر اثر ہوتا ہے لیکن اقبال کا نشہ دل و

دماغ دونوں پر اثر کرتا ہے اگر اقبال کا مدہوش سوال کرے کہ یہ اقبال کیا شئے ہے تو ہم اُسکو جواب دینگے کہ اقبال دراصل کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو قائم رہ سکتی ہو۔ اقبال ایک پردار بیوفا جانور ہے جو کبھی ایک جگہ یا ایک مسند پر نہیں بیٹھتا۔ وہ ہمیشہ لاپروائی کے ساتھ اُڑتا پھرتا ہے۔ وہ جب ایک مُنڈیر پر بیٹھتا ہے تو محبت اور الفت سے نہیں بیٹھتا بلکہ اُس نے اُس کو اپنی دانست میں ایک فرودگاہ یا منزل قرار دیا ہے۔ جیسے ایک راستہ میں مسافر کو کئی فرودگاہیں اور منزلیں آتی ہیں اور وہ کسی منزل سے بھی دل بستہ نہیں ہوتا اور نہ اس کو اپنا اصل مقام سمجھتا ہے ایسے ہی اقبال بھی کسی اپنی فرودگاہ کو اپنا گھر اتا یا مستقل فرودگاہ نہیں خیال کرتا۔ وہ گویا شب باش ہو کر پھر سوار کرجاتا ہے۔ کیا ایسے مسافر کے اوپر لوگوں کو کوئی اعتبار کرنا چاہئے۔ اور اُس سے الفت کی جاسکتی ہے۔ کہا کرتے ہیں۔ کہ جوگی کس کے میت۔ یہی حال اقبال کا ہے۔ گو ہم اپنے اقبال سے محبت کرتے ہیں لیکن وہ تو ہم سے محبت نہیں کرتا۔ افسوس اس ناپائدار شئے پر بہت سے انسان ایسا قوی اعتبار کرتے ہیں کہ گویا اُسی کے ہو رہتے ہیں۔ اور اُس کے عارضی اور چند روزہ نشہ سے ایسے چور ہوتے ہیں کہ اُس حالت میں اپنی نگاہوں میں تمام لوگوں کو وحشی اور ناکارہ سمجھتے ہیں۔ مگر اُنہیں یہ خبر نہیں کہ عنقریب ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ یہ جھول اُن کے بدنوں سے اُتر جائیگی۔ اور وہ ویسے کے ویسے ہی رہجائینگے۔ جب یہ عارضی نشہ فرو ہوگا تو اُن کی آنکھیں کھلینگی اور اُنہیں معلوم ہوگا کہ دراصل وہ کیا ہے۔ اور اُنہیں اقبال یا اُس جوبن کے دنوں میں اپنے ابنائے جنس کے ساتھ کس فروتنی اور مروت سے سلوک کرنا زیبا تھا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اقبال کے دنوں میں خُدا اور مخلوق کو نہیں بھولتے۔

کہنا اور کرنا

جیسے الفاظ کہنا اور کرنا کے ڈھانچ میں فرق ہے ایسے ہی اُن کے مفہوم اور عمل میں فرق ہے

کہنا آور چیز ہے۔ اور کرنا آور حالت۔ ہر ایک شخص کہہ تو سکتا ہے مگر کرنا کوئی کوئی ہے کہنے کی ڈیوٹی صرف زبان اور الفاظ سے تعلق رکھتی ہے مگر کرنے کی حالت اِس سے بڑھی ہوئی ہے بہت ایسے ہیں جو کہتے تو ہیں مگر کرتے نہیں۔ اور بہت ایسے ہیں جو کہتے نہیں مگر کرکے دکھا دیتے ہیں +

انسان اس دُنیا میں سب سے اُن اجسام یا طاقتوں کو قبول کرتا ہے یا اُن کی جانب خوشی سے رجوع کرتا ہے جو اُن کی نگاہوں میں سہل الوجود ہوتے ہیں۔ بہ نسبت کرنے کے کہنا بھی ایک سہل الوجود بات ہے۔ اس واسطے دنیا میں اس کی جانب بہت سے لوگ رجوع لائے اور لا چکے ہیں۔ کرنا یا کر کے دکھانا چونکہ مشکل اور متعسر ہے اس واسطے اس کو جہ میں کوئی شخص نہیں جاتا اور اگر جاتا ہے تو اس کے کہنے اور کرنے میں فرق نمودار ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ دور بین حکیموں نے تجربوں سے کہہ چھوڑا ہے کہ کہو بہت کم۔ بلکہ کہو ہی نہیں اور کرو بہت زیادہ +

جو لوگ اِن عمدہ اور قیمتی کہاوتوں پر عمل کرتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں کہتے۔ ایک جگہ کہتا ہے انسان خود کیوں کہتا ہے جب وہ ایک کام کو کریگا تو لوگ خود ہی نہ کہینگے +

دانا انسان اپنے کام کو خاموشی سے کرتا جاتا ہے دیکھنے والے خود ہی اس کی جانب سے کہنے یا عام منادی کو تیار ہو جاتے ہیں انسان کو ڈھول کی آواز سے تمثیل حاصل کرنی چاہئے ڈھول بج کر دکھاتا ہے لیکن یہ نہیں کہتا کہ میں بجتا ہوں۔ لوگ سُن کر خود ہی کہتے ہیں کہ ڈھول بجتا ہے۔ کیا کرنے والا خود کہنے اور خود منادی کرنے کا محتاج ہوتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ کئے جاؤ لوگ خود ہی تمہاری قائم مقامی کو تیار ہو جائینگے کرکے سنو کہ لوگ اس کی بابت کیا کہتے ہیں۔ اگر آئینہ عام میں اچھا عکس پڑے تو اس کی صلاحیت کرو۔ صلاحیت کرنا انسان کا ایک خاص خاصہ ہے اسی خاصہ سے انسانی جماعتوں میں عمدگیاں اور نیکیاں پیدا ہوئی ہیں۔ اگر یہ خاصہ نہ ہوتا تو آج دنیا کا یہ حال

نہ ہونا۔ کرو اور شکر گزاری کے ساتھ سنو۔ کہ دنیا کیا کہتی ہے +

جدت

خدا نے انسان کے مزاج میں جدت پسندی یا جدت کا ایک مادہ بھی ودیعت کر رکھا ہے انسان اپنے مزاج میں ہمیشہ جدت کو پسند کرتا ہے۔ کل جدید لذیذ اسی مبادی پر کہا گیا ہے۔ اس سے دُنیا کی رونق اور ترقی منصور ہے۔ دُنیا میں اس قدر رونق اور ترقی جو دکھائی دیتی ہے یہ سب اسی جدت یا جدت پسندی کا طفیل اور برکت ہے اگر انسانوں کے امزجہ میں یہ جدت نہ ہوتی تو دُنیا کے بازاروں میں یہ رونقیں اور ترقیاں نہ ہوتیں۔ انواع واقسام کے نمونوں اور امور کا اس دار دُنیا میں نشو ونما پانا اور عروج حاصل کرنا اسی جدت کا کرشمہ اور فعل ہے۔ کوئی بھی ایسا انسان نہیں جس کے دل میں اس کا شوق یا وجود نہ پایا جاتا ہو۔ جن جن ملکوں اور قوموں نے علوم اور فنون مختلفہ میں گوئے سبقت حاصل کی ہے اُس کا اصلی باعث یہی جدت اور جدت پسندی ہے۔ دُنیا میں اس وقت جس قدر کاریگریاں ہیں اُن سب کا موجب اس جدت سے شروع ہوا ہے۔ گویا ہر ایک عجیب وغریب صناعی یا کاریگری کا گرُو اور اصل الاصول یہی جدت ہے۔ یورپ کی قوموں نے اس جدت کو اپنا دستور العمل بنا کر دُنیا میں ہر ایک ثروت اور برکت حاصل کر لی ہے۔ اور دن بدن کرتے جاتے ہیں یورپ کے بازاروں میں ہر ایک نئے سال پر جدید کاریگریاں اور نمونے لائے جاتے ہیں۔ حتے الامکان کوشش کی جاتی ہے کہ دوسرے سال پھر پرانے نمونے نہ ہوں۔ اس جدت پسندی میں صلاحیت اور درستی بھی شامل ہے کسی شے میں اس وقت تک انسان صلاحیت نہیں کر سکتا جب تک اس کو جدت کا خیال نہ ہو۔ اور کوئی سے اس وقت تک صلاح پذیر نہیں ہو سکتی جب تک اُس کی جدت پر غور نہ کی جاوے۔ ہندوستان کی سرزمین میں شاید پہلے زمانوں میں لوگوں اور قوموں یا کم سے کم کاریگروں اور صناعوں کو جدت کا خیال ہو تو ہو اس زمانہ میں تو اچھے

خیالات سے آبائی لیاقتوں اور رسموں کو ایک مذہبی یا قومیت کا اعتقاد سمجھ رکھا ہے کہ اُنکی بابت صلاحیت یا جدت کا خیال کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے جس روش اور جس طریق پر پرانے نمونے تھے وہی ہمیشہ پسند کیئے جاتے ہیں کبھی اگر اُن میں تراش خراش کا ذکر بھی سُن پاتے ہیں تو گویا اُنہیں ایسا بُرا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مذہبی اصول میں دست اندازی کی گئی ہے۔ ہاں اس اعتقاد کے مقابلے میں یورپ کے ملکوں اور خطوں سے جو اشیا جدید قالب میں ڈھل ڈھل کر ہندوستان کی سرزمین میں وارد ہوتی ہیں ان کو سو جان سے محبت اور پیار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ کھانے کو بھی نہ ہو اُن کو ضرور لیا اور خرید کیا جائیگا۔ کیونکہ نہ خریدنے کی صورت میں فیشن میں خرابی آتی ہے۔ ہائے افسوس دوسری جدتوں یا کاریگروں پر ہم فدا اور شیدا ہوتے ہیں مگر اپنی صلاحیت اور جدت کی حالت ایک مذہبی یا قومی گناہ ہے۔ ہندوستان میں ایک نہیں بلکہ ہزاروں ہی ایسی پرانی شاخیں ہیں جو جدت پسندی کے خیال سے خوشنما اور عام پسند ہو سکتی یا کی جا سکتی ہیں مگر ہم لوگوں کو اُن کی صلاحیت اور جدت کا خیال بھی نہیں۔ جو نمونہ باپ دادا نے قائم کیا ہے اُسی کو بہرحال قابل تعظیم و تکریم خیال کیا جاتا ہے۔ دوسری قوموں نے ہزاروں ہی تبدیلیاں اور تغیرات کرا کر ترقی حاصل کی ہے۔ اور یہاں خوش قسمتی سے اُنہیں باسی پتیوں پر مردوں کے قل پڑھوائے جاتے ہیں۔ جب تک ہندوستان کی سرزمین میں اپنی صلاحیت آپ اور اس جدت کا خیال پیدا ہو کر مضبوطی کے ساتھ نشو و نما نہیں پائیگا تب تک کبھی ترقی اور بہبودی کی کامل اُمید یا توقع نہیں ہو سکتی۔ دنیا اب عجائبات کو پسند کرتی ہے۔ جبتک ہندوستان ہی میں یہ عجائبات پیدا نہ ہونگے تب تک ترقی کب ہو سکتی ہے۔

شرم آبائی

ایک حکیم کا قول ہے کہ دنیا میں ہر ایک شے کا جوڑہ اور جفت ہے۔ یا یہ کہ ہر ایک

یا قوت میں دو خصوصیتیں پائی جاتی ہیں ایک خصوصیت میں اگر برائی ہے تو دوسری میں بہتری اور نیکی رکھی گئی ہے۔ اگر ایک حالت میں ایک عمل درست ہے تو دوسری میں الٹا نتیجہ ہے۔ شرم آبائی کی بھی دو صورتیں ہیں۔ بعض امور میں وہ اچھی ثابت ہوتی ہے اسکے وجود سے نفع ثابت ہوتا ہے اس خیال سے تو شرم آبائی بہت خوب اور لائق تتبع ہے کہ اس کے ذریعہ سے ایک خاندان کے قائم رکھنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور مابعد کی نسلوں کو خواہ مخواہ بھی ان امور کی بابت ایک خاص توجہ ہوتی ہے۔ اور اس لحاظ سے وہ بہت ہی مکروہ اور بری ہے کہ اس کے عمل سے انسان اکثر امور کے اکتساب سے رہ جاتا ہے۔ اگرچہ اور ملکوں میں بھی اس شرم کا وجود پایا جاتا ہوگا مگر جس حیثیت سے اس شرم نے ہندوستان میں دخل و قبضہ کیا ہے وہ بالکل نرالا اور عجیب تر ہے جیسے مدقوق کی حالت درست اور صحیح نہیں ہوتی اسی طرح سے ہندوستانیوں کی حالت اس شرم سے درست ہونے میں نہیں آتی۔ اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ ہندوستان میں صنعت و حرفت کو کس امر نے روک رکھا ہے اور اس میں کیوں رونق اور ترقی نہیں ہوتی ہم صفائی سے کہینگے کہ اسی شرم آبائی کی بدولت ہندوستان کے نصیبوں میں یہ کمی آئی ہے۔ ہندوستان کے لوگ ہر جدید اور تازہ امر کے حاصل کرنے پر اس شرم کی حمایت تلاش کرتے ہیں اور حصول ترقیات سے رہ جاتے ہیں ان کا یہ محدود اور تنگ خیال بہت ہی نفرت کے لائق ہے کہ ہم وہ کام کیوں کریں جو ہمارے باپ دادوں نے نہیں کیا ایک یہی خیال یا یہی شرم ہے جو انہیں بدنصیبی کی جانب زور سے دھکیل رہی ہے افسوس ایسے لوگوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ جدید امور اور پیشوں کے حاصل کرنے سے آبائی عزت اور حرمت میں کوئی فرق نہیں آسکتا کیونکہ آبائی عزت بھی اسی وقت تک ہے جب تک پیٹ بھر کھانا ملتا ہے جب آذوقہ سے بھی جان کے لالے پڑتے ہیں تو پھر آبائی شرم کا کیا ٹھکانا ہے ہر ایک پیشہ شریف اور قابل ادب ہے پیشہ کا سیکھنا تو مثبت اور آبائی اعزاز و اکرام کو

کسی صورت میں دھبہ نہیں لگاتا جب تک ہمارے ہندوستان کے وجود سے یکبہ چنیاں دور نہ ہونگی تب تک کوئی اُمید نہیں کی جا سکتی کہ اِس ملک کی قوموں میں فراست اور صلاحیت کا مادہ موجود اور پیدا ہو +

جس ملک میں صنعت اور حرفت کو ترقی ہوئی ہے وہاں سے جب تک یہ آبائی شرم نہیں اُٹھتی تب تک ترقی کی صورت پیدا نہیں ہوتی یہی اُصول ہے جس کو تمام ملکوں اور قوموں نے مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے کیا اُن ملکوں کی آبائی شرم اور غیرت و اکرام برباد ہو گئے ہیں کیا اُن میں کسی کو بھی اپنی عزت یا اپنے باپ دادا کی مکرمت کا خیال نہیں ہے مگر ان معنوں سے نہیں جن کا دور دورہ ہمارے ہندوستان میں ہو رہا ہے +

عیسٰے بدین خود موسےٰ بدین خود

یہ ایک پُرانی ضرب المثل ہے شاید اس کا گھڑنے والا کوئی بڑا ہی تجربہ کار اور مشاق دُنیا دار ہوگا جس نے بہت سے خرخشوں اور تجربوں کے بعد اس کو گھڑا ہوگا اگر ہم اِس ضرب المثل کے معانی پر غور کریں تو ہم کو معلوم ہو جائیگا کہ اس کے موجد نے دنیا کے اُن تمام مخمصوں اور خرخشوں اور تنازعات کا فیصلہ کر دیا ہے جو دُنیا کے میدان میں مذہبی راہوں سے آتے ہیں اگرچہ ان تنازعات کا موجب یا باعث مذہب نہیں ہوتا مگر لوگ ان نازک راہوں سے اُن کو داخل ضرور کر لیتے ہیں۔ یہ زمانہ تو دنیا پر ایسا آگیا ہے کہ مذہب اور دُنیا کے معاملات اور قضایا آپس میں بہت ہی مقرون اور قریب ہو گئے ہیں خصوصًا ایشیائی ملکوں میں اس کا بہت ہی اثر اور دخل ہو گیا ہے ایشیائی حصوں میں تمام قضایا اور تنازعات کی اخیر بُنیاد ہمیشہ مذہب پر جا رہتی ہے یہ ایک ایسا خراب طریق عمل ہے جس سے دُنیا کے معاملات میں قوموں اور گھرانوں کے درمیان ایسے قوی اور زبردست تنازعات کی بُنیاد قائم ہو جاتی ہے جس کا تصفیہ اور ازالہ پھر مشکل ہو جاتا ہے

تمام معاملات میں اتحاد اور یک سوئی کرنے سے کبھی کوئی مذہب رُکتا نہیں ہے اور نہ مزاحم ہوتا ہے اگر دُنیا کے ظاہری معاملات اور قضایا کو مذہب سے الگ رکھا جائے تو کوئی فساد نہیں حادث ہوسکتا۔ ضرب المثل مندرجہ عنوان ایک ایسی صاف ضرب المثل ہے گویا اُس کو ایسے نزاعات کے واسطے ایک قول فیصل کہنا چاہیئے مطلب اس مثال کا یہ ہے کہ دین کے معاملات اور قضایا میں ہر ایک دین یا مذہب کو ہمیشہ جُدا رکھنا چاہیئے۔ مذہب کا فیصلہ خود خداوند کریم کریگا۔ اور اس کا آخری نتیجہ خدا کریگا۔ ہمیں دوسرے معاملات میں ہمیشہ صاف رہنا چاہیئے +

ناکامی نحوستوں کی جڑ ہے

اگر دُنیا کے میدان اور رزمگاہ میں کسی بڑے اور مشہور بدقسمت کو دیکھنا چاہو تو میں تمہیں ایک بڑے فلاسفر کے قول کے بموجب ہدایت کرتا ہوں کہ تم اُس بدقسمت شخص کو دیکھ سکتے ہو جو دُنیا کے میدان میں ہمیشہ ناکام رہا ہو +

ایسا شخص بدقسمتی کا نمونہ اور حامی ہی نہیں ہوتا اور ناکامیاں اُسے صرف ناکام ہی نہیں رکھتیں بلکہ اُس پر اور نحوستیں بھی لاتی ہیں ناکامی ایک گہرا اور سیاہ ابر ہے یا وہ ایک سخت اور تند آندھی ہے جو اپنے مطلوب کو اندھا بنا دیتی ہے انسان میں آرزو اور قوت ارادی ایک ایسا جوہر ہے جو اسے دور دور تک لئے پھرتا ہے اور اُس کی ترقی اور بشاشت کا موجب ہوتا ہے لیکن جب ان کے ساتھ ناکامی کی روح آملتی ہے تو یہی آرزو اور قوت ارادی انسان کو در اصل خراب کرتی اور زمانہ میں بار بار مسخرہ بناتی ہے +

آرزو اور ارادہ جوش اور موج میں آتا ہے اور زور لگا کر ادھر اُدھر کی سیر کرتا ہے لیکن جب اُسے ناکامی کا دھکا لگتا ہے تو پھر اپنے منحوس مرکز پر آ ٹھہرتا ہے +

ناکام انسان پر پہلے نحوست اور اُس کے بعد بے شرمی آتی ہے۔ اگرچہ بے شرمی

بعض مرتبہ ناکامیوں کو دور بھی کر دیتی ہے۔ مگر جب کسی شخص کی قسمت اور نصیبہ اُس پر عاشق ہوتا ہے تو اُسے گھیر گھبر کر مہمان کی طرح بے شرم کہا جاتا ہے۔

دوسرے لوگ ہی اُس کو بے شرم نہیں کہتے بلکہ وہ خود بھی اسے کہ بے شرم محسوس کرتا ہے اگرچہ وہ برابر اندھوں کی طرح کوشش کیئے جاتا ہے مگر دل میں جانتا ہے کہ میں ایک شور زمین میں بیج بو رہا ہوں یا ایسا سفر کر رہا ہوں جو کوئی منزل مقصود نہیں رکھتا۔ مایوسی اور ناکامی کی حالتوں میں فرق ہے۔ مایوسی میں بار بار کا جھگڑا نہیں ہوتا لیکن ناکامی میں یہ دُکھ جان کو کھا لیتا ہے۔

مایوسی انسان کو ایک منزل پر کھڑا رکھتی ہے لیکن ناکامی اُسے دیوانوں کی طرح گھر گھر لیئے پھرتی ہے۔ مایوسی بے ایمانی اور بد اعتقادی تک نوبت نہیں پہنچاتی۔ لیکن ناکامی انسان کو تمام نیکیوں اور تمام خوش اعتقادیوں سے باز رکھتی ہے اور اس شخص کو ایسا بنا دیتی ہے گویا وہ ایک پتھر ہے جو کچھ نہیں جانتا۔ اگرچہ دُنیا میں ہر ایک شخص لگاتار کامیاب نہیں ہوتا جاتا لیکن وہ شخص بڑا ہی بدقسمت ہے جو اپنے ہر ایک ارادے میں ناکامی سے معاملہ کرتا ہے۔ اگرچہ ایسے شخص پر اور بھی صدہا سختیاں اور آفتیں آتی ہیں مگر سب سے بڑی آفت یہ آتی ہے کہ اُس کی اعتقادی قوتوں میں فرق آ جاتا ہے۔ نعوذ باللہ سب سے پہلے وہ اس قوت عظیم خدائی سے مُنکر ہو جاتا ہے جو اس نظام عالم میں کام کر رہی ہے۔ اُسے قسمت کا کبھی کوئی خیال نہیں رہتا بلکہ وہ ساری دُنیا کو غاصب اور جابر قرار دینے میں ذرا تامل نہیں کرتا۔ وہ یہ مذہب بنا لیتا ہے کہ دُنیا میں ایک طاقت دوسری طاقت کو خود مختاری سے مارتی اور اُس پر جبر کرتی ہے جس کا داؤ چل جاتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور نہ اس کارخانے میں کوئی مدبر اور ناظم قوت ہوتی ہے اور نہ اُس کی ضرورت ہے۔ اگر ایسا شخص مذہب کے ساتھ بہت رعایت کرے تو اس قدر پر کفایت کریگا کہ وہ قوت ناظمہ یا مُدبرہ برائے نام ہے۔ اس نظام عالم میں اُس کو

کوئی دخل نہیں ہے ۔ اور نہ اُسے کوئی پوچھتا ہے ۔ لوگ سمجھیں گے کہ یہ شخص کافر یا لعنتی ہے لیکن یہ اُن کی غلطی ہے وہ نہ تو منکر خدا ہے ۔ نہ لعنتی ۔ وہ ایک دیوانہ اور مجنون ہے ۔ جب ایک شخص چند ظالموں کے پنجہ میں گرفتار ہو کر ہر ایک طرف سے مصیبتوں کا آماجگاہ بن جاسے تو وہ کہا کرتا ہے کہ دُنیا میں کوئی حاکم نہیں اور نہ کوئی مُدبّر ہے ۔

یہی صورت اُس شخص کی ہوتی ہے جو ہمیشہ ناکاموں کے نرغہ میں گھرا رہتا ہے اُس کا کوئی قصور نہیں اُس کا دماغ ماؤف ہے ۔ وہ اُس کی آفت سے بکتا ہے ایک مذہب کی کتاب میں لکھا ہے ۔ لا یکلف اللہ نفسًا الّا وسعھا ۔ بس ہماری رائے میں ایسے منحوس لوگ بھی ایسے کلمات کے اطلاق سے قابل معافی ہیں ۔ اُن کا کچھ اعتبار نہیں کیونکہ وہ دیوانہ ہو رہے ہیں وہ ہر وقت جس صورت میں کامیابی کے مبارک دروازے سے دیکھے لئے جاتے ہیں تو کیوں نہ ساری دُنیا کو غاصب حقوق قرار دیں ۔ اور کیوں نہ اُنکے مُنہوں سے وہ کلمات نکلیں کہ جو مایوسی کی جڑ ہیں دوسرے ابنائے جنس اُن پر تمسخر اور ٹھٹھا نہ کریں ۔ بلکہ وہ بھی ایسے نامبارک دنوں سے ڈریں کیونکہ درحقیقت یہ ناکامی ہی تمام نحوستوں کی جڑ ہے ایک شخص کیا اچھا کہتا ہے ۔ کہ "مایوس اور ناکام ایک ایسا بھیڑیا ہے جو سب کو کاٹتا اور اپنے منہ کو بے لقمہ رکھتا ہے" ۔

چند چیدہ کارآمد کتابیں جو مطبع رفاہ عام لاہور سے مل سکتی ہیں

تصانیف مولانا محمد حسین صاحب آزاد

دربار اکبری۔ اکبر بادشاہ اور اُسکے دربار کے ستر جلیل القدر درباریوں کی سوانح عمری۔ ۸۵۰۔ صفحے۔ تقطیع کلاں۔ مے ر

سخندان پارس۔ فارسی زباں کی تبدیلیوں کے تاریخی حالات اور دلچسپ نکات ۱۰ ر

مجموعہ نظم آزاد ۸ ر

سپاک وسناک یا عجائبات جنون ۸ ر

آب حیات۔ اُردو شعراء کا تذکرہ عہ

نیرنگ خیال۔ اخلاقی مضامین کا مجموعہ ۵ ر

تصانیف مولوی سید ممتاز علی صاحب

ثبوت واجب الوجود۔ خدا کی ہستی کے دلائل ۳ ر

خیر المقال ترجمہ منقذ من الضلال۔ امام غزالی ؒ ثبوت نبوت میں مع حواشی۔ ۱۲ ر

حقوق النسواں۔ حقوق و تعلیم و اصلاح معاشرت مستورات ۱۲ ر

ولادت مسیح ۴ ر

طبیب النسوان یعنی ایام حمل و وضع حمل کے عوارض اور بچوں کی امراض کا علاج ۸ ر

لغات فارسی جس میں مدارس کی درسی کتابوں کے کل الفاظ جمع کئے گئے ہیں ۱۰ ر

فارسی آموز۔ بچوں کے لئے آسان فارسی قواعد ۲ ر

سفرنامہ ابن بطوطہ۔ ایشیا کے اکثر ممالک کا سفرنامہ چھ سو برس کا لکھا ہوا۔ ترجمہ بیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب ایم۔ اے ڈسٹرکٹ جج عہ

علم اللسان۔ انسان کی زبان پیدا ہونے کا سلیس بیان از مولوی سید احمد صاحب مصنف فرہنگ آصفیہ۔ ۱۴۰ ر

ترجمان فارسی۔ زمانہ حال کی فارسی میں بول چال از مولوی عبید اللہ صاحب بسمل ۶ ر

ارشادات قرآن۔ سلیس اور با محاورہ اُردو میں قرآن مجید کے احکام از مولوی فتح محمد خاں ۱ ر

سیرۃ الشافعی۔ امام شافعی کی سوانح عمری از مولوی نجم الدین صاحب سہواری عصہ

دیوان شاہان فارسی۔ عہد شاہجہان بادشاہ کی تصنیف عصہ

سیر حریرہ صورت آباد۔ از منشی عبداللہ حسرتی لکھنوی ۴ ر

صبح ملال وشام غم۔ ایک یتیم بچے کا قصہ از منشی احمد حسین خان صاحب بی۔ اے۔ ۶ ر

تہذیب النسوان۔ زنانہ اخبار جو لڑکیوں کے فائدے کے لئے مستورات کی اڈیٹری میں ہر ہفتہ شائع ہوتا ہے۔ سالانہ چندہ ۴ ر

عمدہ اور سستی کتابیں ملنے کا پتہ

محمد حسن انوار المطابع - لکھنؤ